عمرو کی غداری

عُمرو کی غدّاری

داستانِ طلِسم ہوش رُبا

حصّہ اوّل

اختر رضوی

طِلسم ہوش رُبا

اُردُو ادب میں داستانِ امیر حمزہ کی طرح طِلسم ہوش رُبا (ہوش اڑا دینے والا جادُو) کو بھی بُنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ویسے یہ دونوں داستانی سلسلے ایک دُوسرے کا حِصّہ ہیں۔ داستانِ امیر حمزہ پڑھے بغیر طِلسم ہوش رُبا کا پورا لطف نہیں آتا اور طِلسم ہوش رُبا پڑھے بغیر داستان امیر حمزہ کا لطف ادھورا رہ جاتا ہے۔

طِلسم ہوش رُبا کا داستانی سلسلہ بڑا طویل ہے۔ یہ داستانیں سات حصّوں کی نو جِلدوں میں فُل سکیپ سائز کے بارہ ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ کتابی شکل میں ناشر منشی نول کشور نے آج سے تقریباً چالیس سال پہلے شائع کیا تھا۔

ان داستانوں کا اصل مصنّف کون ہے؟ لوک کہانیوں کی طرح اس کا پتا چلانا

مُشکل ہے۔ البتہ منشی نول کشور کے نسخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی چار جِلدیں منشی محمّد حسین جاہ کی لکھی ہوئی ہیں اور باقی جِلدیں احمد حسین قمر نے لکھی تھیں۔ یہ دونوں حضرات لکھنؤ کے تھے اور اپنے دُور کے بہترین داستان گو مانے جاتے ہیں۔

''عُمرو کی غداری''، طِلِسم ہوش رُبا سیریز کی پہلی داستان ہے۔ اس سلسلے کا مقصد بچوں کو قدیم اُردُو ادب سے روشناس کرانا ہے۔ ''عُمرو کی غداری'' سے پہلے کے واقعات کا خلاصہ یہ ہے:

امیر حمزہ، ایران اور عرب کے بادشاہ نوشیرواں کے وفادار جنرل ہیں۔ وہ اس کے لیے فوجی خدمات انجام دیتے ہیں۔ مگر اپنے وزیر بختک کے بہکائے میں آ کر نوشیرواں ان کی قدر نہیں کرتا۔ بلکہ جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ امیر اس کی غلط فہمیاں دُور کرنے کی بے انتہا کوشش کرتے ہیں مگر جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تو امیر اُسے تخت سے اتار دیتے ہیں اور رعایا اور فوج کے اصرار پر اپنے پوتے قباد شہریار کو اس کی جگہ بادشاہ بنا دیتے ہیں۔

نوشیرواں مر جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا فرامُرز جِلاوطن بادشاہ کی حیثیت سے باپ کا جانشین ہوتا ہے، بختک کا بیٹا بختیارک اس کا وزیر بنتا ہے۔ مختلف بادشاہوں کی مدد سے فرامُرز امیر حمزہ سے جنگیں کرتا ہے۔ ناکام ہو کر آخر میں زمرّد شاہ باختری عُرف لقا کے پاس جا پہنچتا ہے۔ لقا اپنے جادُو کی طاقت کی بنا پر خود کو خُداوند کہلاتا ہے۔ امیر حمزہ اس پر فوج کشی کرتے ہیں۔ وہ شکست کھا کر طِلسم ہزار شکل میں جا کر پناہ لیتا ہے۔ امیر یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ وہ ایک سے دُوسرے طِلسم میں بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ ”عُمرو کی غداری“ میں لقا کے آخری طِلسم کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

خوفناک دھماکے

جادُوئی رنگ محل میں ہر روز کی طرح آج بھی عیش کی محفل جمی ہوئی تھی۔ چبُوترے پر سونے کے جواہرات جڑے دو تخت بچھے ہوئے تھے۔ ایک اونچا اور بڑا تھا، دوسرا اس سے کچھ چھوٹا اور نیچا۔ دونوں پر بیش قیمت قالین بچھی تھیں بڑے تخت پر ریشمی گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے زمرّد شاہ باختری جو لقا کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ اور چھوٹے تخت پر نوشیر واں کا بیٹا فرامُرز بیٹھا تھا۔ لقا کی پُشت کی جانب اس کا خرانٹ وزیر ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور فرامُرز کے پیچھے اس کا وزیر بختیارک۔ یہ بختیارک اُسی بختک کا بیٹا تھا جو نوشیر واں بادشاہ کا وزیر ہوا کرتا تھا۔ یہ عادت اور فطرت میں ہو بہو اور اپنے باپ کی طرح تھا۔ جس طرح بختک ہمیشہ نوشیر واں کو امیر حمزہ کے خلاف بھڑکایا کرتا تھا اسی

طرح بختیارک بھی فرامُرز کو بھڑکاتا رہتا تھا۔ پہلے تو اس نے نامی گرامی پہلوان اور زبردست فوجیں تیار کرا کے امیر حمزہ پر چڑھائیاں کرائیں مگر جب امیر نے ان کی ساری قُوّت تباہ کر دی تو وہ فرامُرز کو لے کر زمرّد شاہ باختری لقا کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

لقا نے اپنی طاقت حکومت اور جادُو کے زعم میں خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ بڑے بڑے جادُوگر اور ظالِم اور کافر بادشاہ اسے اپنا خُدا مانتے تھے۔ بختیارک کے کہنے میں آ کر فرامُرز بھی اس پر ایمان لے آیا۔ لقا نے دونوں کو اپنا مصاحبِ خاص بنا لیا۔ ساتھ ہی یہ بھی تسلّی دی کہ وہ امیر حمزہ کو برباد کر کے ان کا ملک اُنہیں بخش دے گا۔

امیر حمزہ کو جب یہ حال معلوم ہوا اور انہوں نے لقا کے دعوائے خدائی کی خبر پائی تو ان کی غیرتِ ایمانی جوش میں آئی۔ اس فتنے کو مٹانا انہوں نے اپنا فرض جانا۔ ایک زبردست لشکر تیار کر کے آندھی اور طوفان کی طرح لقا کے ملک پر حملہ آور ہوئے۔ ہولناک لڑائیاں ہوئیں، لقا نے ہر طرح پُورا زور لگایا۔

اپنی جھوٹی خدائی کا ہر پھندا چلایا۔ مگر جب کچھ بن نہ آیا تو مُقابلے سے بھاگا اور مصاحبوں اور وفاداروں کی ایک جماعت کے ساتھ "طِلسم ہزار شکل" میں جا چھُپا۔

طِلسم ہزار شکل پر لقا کو بڑا ناز تھا۔ وہ اسے اپنی ناقابلِ فتح پناہ گاہ سمجھتا تھا۔ ہرچند کہ امیر حمزہ اس کا پیچھا کرتے ہوئے اس طِلسم کی حدوں میں داخل ہو چکے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل کرتے چلے جارہے تھے۔ مگر لقا کو طِلسم کے انتظامات پر اتنا بھروسا تھا کہ اس کے چہرے پر تفکّر و پریشانی کی جھلک تک نہ دکھائی دیتی تھی۔ وہ بڑی لاپروائی سے رنگ محل میں عیش و عشرت میں مشغول رہا کرتا۔

آج بھی اس کی محفل گرم تھی۔ خوبصورت کنیزیں زرق برق لباس پہنے رقص کر رہی تھیں۔ چاق و چوبند غلام طرح طرح کے میووں، پھلوں اور کبابوں کے طشت ہاتھوں میں لئے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ تخت کے سامنے فرش پر پریوں کی ایک ٹولی اپنے کمالات دِکھارہی تھی۔

لقا کی طرح فرامُرز بھی رقص و موسیقی سے پوری دلچسپی دکھا رہا تھا۔ لیکن جانے کیا بات تھی کہ کبھی کبھی اچانک وہ کانپ اٹھتا۔ اس کا چہرہ ایک دم زرد پڑ جاتا اور وہ سخت بے چین اور پریشان دکھائی دینے لگتا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر لقا بدمزہ ہو رہا تھا۔ ایک بار جب اچانک فرامُرز سر سے پیر تک کانپ اُٹھا اور پھر مُڑ کے خوف زدہ نگاہوں سے تخت کے پیچھے دیوار کے بند دروازے کو گھورنے لگا تو لقا خود پر قابو نہ پا سکا۔ اس نے چیخ کر کہا:

"بند کرو۔" دُوسرے ہی لمحے غلاموں اور کنیزوں پر ایک چبھتی نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے ہاتھ سے ایک خاص اشارہ کیا۔ وہ سب رکوع جیسی حالت میں کمر خم کئے گردنیں جھکائے اُلٹے پیروں چلتے ہوئے باہر نکل گئے۔ فرامُرز سنبھل کر بیٹھ گیا۔ بختیارک نے کان کھڑے کئے۔ لقا کا وزیر اپنی لمبی سفید ڈاڑھی پر جلدی جلدی ہاتھ پھیرنے لگا۔

"نوشیرواں کے بیٹے" لقا نے فرامُرز سے کہا۔ "کیا ہماری نعمتیں بے مزہ ہیں؟ ہماری پریاں بے ڈول ہیں؟ ان کا ناچ گانا واہیات ہے؟"

”ہر گز نہیں خُداوند“ فرامُرز نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ ”آپ کا یہ ناچیز اور حقیر بندہ اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔“

”پھر تمہارے دل پر ان سب کا اثر کیوں نہیں ہوا؟ تم رہ رہ کر خوف زدہ کیوں ہونے لگتے ہو؟“ لقا نے کہا۔

”قصور معاف خُداوند“ فرامُرز رُک رُک کر بولا۔ ”جب سے امیر حمزہ طلِسم میں داخل ہوئے ہیں، تخت کے پیچھے والے بند دروازے کی طرف سے مجھے پر اسرار اور دہشت ناک آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ آج یہ آوازیں پہلے سے زیادہ بھیانک محسوس ہو رہی ہیں۔ کبھی دھماکا ہوتا ہے، کبھی چیخ و پکار کی گونج کانوں سے ٹکراتی ہے، تو کبھی گڑگڑاہٹ سیٹیوں اور سسکیوں کی۔“

”فرامُرز“ لقا غصّے سے چیخ پڑا ”تمہارے دل و دماغ پر اب بھی امیر حمزہ کا بھُوت سوار ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک نہیں، ایک ہزار امیر حمزہ بھی طلِسم ہزار شکل سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتے۔ جس دروازے سے تمہیں سِسکیاں سنائی دے رہی ہیں وہ میرا طلِسم خانہ ہے۔ جو سسکیاں یا سیٹیاں تم نے

سُنیں۔ ان کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ معمولی طِلسمی شُعبدے امیر حمزہ کے ہاتھوں برباد ہو رہے ہیں۔ مگر گڑگڑاہٹ یا دھماکے تم نے ہرگز نہ سُنے ہوں گے۔ صرف بڑے بڑے طِلسمات کی بربادی پر ہی ایسا ہو سکتا ہے۔ اور امیر حمزہ میں ہرگز اس کی قُوّت نہیں۔ خبردار، آئندہ گڑگڑاہٹوں اور دھماکوں کا وہم بھی مت کرنا۔ یہ مابدولت کی شان میں گستاخی کے برابر ہے۔"

فرامُرز سنّاٹے میں آ گیا۔ نیچی نگاہوں سے اس نے لقا کے وزیر کو دیکھا۔ وزیر ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا اُٹھا۔ سامنے آ کر اس نے لقا کے تخت کو بوسہ دیا اور ادب سے کہنے لگا:

"خُداوند عالی جاہ، فرامُرز سچ کہتا ہے۔ دھماکوں کی آوازیں میں نے بھی سُنی ہیں۔ ہمیں غافل نہیں رہنا چاہیے۔ شاید حضور نے خواب میں امیر حمزہ کو زبردست طاقت بخش دی ہے۔ میں اس کے ہاتھوں طِلسم ہزار شکل کو خطرے میں محسوس کر رہا ہوں۔"

”کیا کہا؟ تم نے بھی دھماکے سُنے ہیں؟ تمہاری اور فرامُرز کی طرح یہ دھماکے مجھے کیوں نہیں سنائی دیئے؟ کیا تم ہوش میں ہو؟“

وزیر نے تخت کو بوسہ دیتے ہوئے کہ ”حضور نے ناچ گانے کی طرف دھیان ہونے کی وجہ سے توجّہ نہ دی ہو گی۔ ہم حضور کے بندے اور آدم زاد ہیں۔ کمزوری ہمیں ہر وقت چوکنا رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ اسی لیے ہم یہ آوازیں محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔“

اس جواب پر پہلے سے بھی زیادہ غضبناک ہو کر لقا کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اچانک زبردست گڑگڑاہٹ کی آواز طلِسم خانے کے دروازے کی جانب سے آنے لگی۔ لقا سہم کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ فرامُرز بھی تخت سے اُتر کر نیچے آ گیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب خاموشی کے ساتھ ایک دُوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر گڑگڑاہٹ انتہا کو پہنچی اور ایک ہول ناک دھماکا ہوا۔ اس کے بعد کافی دیر تک آہ بُکا اور چیخ و پکار کی آوازیں گونجتی رہیں۔ لقا کے چہرہ پر غیظ و غضب کی سُرخی دوڑنے لگی۔ فرامُرز اور بختیارک زرد ہو گئے۔ لقا کا وزیر فکر مند دکھائی دینے

لگا۔ چند بار جلدی جلدی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے کے بعد اس نے تخت کو بوسہ دیا اور ہاتھ باندھ کر عاجزی کے ساتھ کہنے لگا۔

"عالم پناہ آپ نے قیامت کا وقت مُقرّر کر رکھا ہے۔ اپنی عظمت کا خیال کیجئے۔ غصّے پر قابو پائیے۔ ورنہ وقت سے پہلے قیامت آجائے گی ۔"

"ہاں خُداوند۔" فرامُرز نے حوصلہ پا کے وزیر کی ہاں میں ہاں ملائی۔" ایک امیر حمزہ کی وجہ سے حضور یقیناً ساری کائنات کو وقت سے پہلے برباد کرنا مُناسب نہ سمجھیں گے۔"

لقا کچھ دیر خاموشی سے باری باری فرامُرزا اور اپنے وزیر کو گھورتا رہا پھر رُعب کے ساتھ بولا۔ "ہوں!تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"حضور" وزیر نے سر کو خم کرتے ہوئے کہا "بہتر ہے کہ سب سے پہلے طلِسم خانے کا جائزہ لے کر حالات کا صحیح اندازہ لگایا جائے۔ اس کے بعد ہی کوئی مناسب بات سوچی جاسکے گی۔"

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔" لقا نے کہا اور تخت سے اترنے کے لیے قدم اٹھانے

لگا۔ وزیر بختیارک اور فرامُرز ہاتھ باندھ کر اور سر جھکا کر الٹے پاؤں پیچھے ہٹ گئے۔ لقا تخت سے اُتر کر پیچھے نیچے آیا اور پھر بڑی شان سے طِلسم خانے کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ دُوسرے لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ دروازے کے سامنے رُک کر لقا نے کنکھیوں سے اپنے وزیر اور فرامُرز کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے اپنا دایاں ہاتھ دروازے کے پٹ پر رکھ دیا۔ ایک دم دروازہ نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ اب ایک بڑے خلا سب کی نگاہوں کے سامنے تھا مگر دھوئیں کے مرغولوں کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ البتّہ دردناک چیخوں اور سِسکیوں کی آوازیں کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سیکڑوں بدرُوحیں دم توڑ رہی ہیں۔ لقا اور اس کے ساتھی اس خلا کے سامنے اس طرح بے حِس و حرکت کھڑے ہو کر رہ گئے جیسے کسی نے اُنہیں پتھّر کا بنا دیا ہو۔

آخر کچھ دیر بعد رفتہ رفتہ آہوں اور سِسکیوں کی آوازیں بند ہو گئیں۔ دھوئیں کے مرغولے غائب ہو گئے اور خلا کی جگہ ایک بہت بڑا ہال سا نظر آنے لگا۔

اس میں درجہ بدرجہا پانچ لمبے چوڑے چبُوترے بنے ہوئے تھے۔ ہر چبُوترے پر عجیب عجیب شکلوں کے دو دو سو بُت تھے۔ پہلے درجے کے بُتوں کا قد چھوٹا تھا۔ دُوسرے درجے کے بُتوں کا اس سے بڑا۔ اسی ترتیب سے پانچویں درجے پر جو بُت تھے وہ سب سے زیادہ اونچے اور لمبے چوڑے تھے۔ کل مِلا کے سب ہزار بُت تھے۔ ان میں سے چار درجوں کے بُت ٹوٹ پھوٹ چُکے تھے۔ پانچویں یعنی آخری درجے کے بڑے بُتوں میں سے بھی بہتوں کے ناک، کان، ہاتھ پیر غائب ہو چکے تھے۔ صحیح سالم بڑے بُت کسی صورت سے بھی چالیس سے زیادہ نہ تھے۔ ان میں سے بھی چند ایک کے نتھنوں اور کانوں سے ہلکا ہلکا دھواں نکلنے لگا تھا اور چند ایک کے مُنہ سے اس طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے وہ ہانپتے ہوئے اپنا آخری زور لگا رہے ہوں۔

صاف ظاہر تھا کہ امیر حمزہ طلِسم ہزار شکل کو بُہت بڑی حد تک تباہ کر چکے ہیں اور جو باقی بچے ہیں وہی آخری دموں پر ہیں۔

فرامُرز نے یہ منظر دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ موت اسے

اپنے سامنے کھڑی دکھائی دینے لگی۔ غصّے میں آکر اس نے شکایت اور نفرت کے ساتھ بختیارک کو اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہا ہو ”مجھے یہ دن صرف تیری وجہ سے دیکھنے پڑے۔“

لقا کا حال عجیب تھا۔ نہ اسے اپنا ہوش رہا تھا نہ اپنے ساتھیوں کا۔ ہونقّوں کی طرح کبھی وہ ایک بُت کو دیکھتا کبھی دُوسرے کو۔ اس کی نگاہیں کسی سالم بُت پر جم کر رہ جاتیں کبھی کسی ٹوٹے ہوئے بُت کے ڈھیر پر۔ کبھی وہ پہلے درجے کے بُتوں کی قطاریں گننے لگتا کبھی پانچویں درجہ کے بُتوں کی۔

فکر اور دہشت لقا کے وزیر کے چہرے سے بھی جھلک رہی تھی۔ مگر اس کے ہوش وحواس قائم تھے۔ ڈاڑھی پر تیزی کے ساتھ ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ کچھ سوچتا بھی جارہا تھا۔ آخر جب خاصی دیر گزر گئی تو وہ لقا کے سامنے دوزانو ہو بیٹھا اور اس کی قبا کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر بوسہ دیتے ہوئے بولا۔

”عالم پناہ، خواب میں ضرور حضور نے حمزہ کو زبردست آسمانی طاقت عطا فرمائی ہے۔ اسی طاقت کے ذریعے اس نے یہ تباہی مچائی ہے۔ اب شاید طلِسم

ہزار شکل کی بچی کھُچی رُکاوٹیں بھی اس کا راستہ نہ روک سکیں۔ حضُور کا یہاں ٹھہرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ جس قدر جلد ممکن ہو ہمیں یہاں سے دُور نکل جانا چاہیے ۔"

لقا کا چہرہ جوش سے سُرخ ہو گیا۔ وہ اپنے دامن کو وزیر کے ہاتھوں سے چھڑاتے ہوئے گرجا" بے حیا غُلام، کیا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں اپنے ہی ایک حقیر بندے کے مقابلے سے ڈر کر بھاگ جائیں۔ یاد رکھ، باختر سے یہاں میں اس لیے چلا آیا تھا کہ دو دن وہ اور خوش ہو لے اور پھر اپنی بے ادبی کی سزا پائے۔ بے شک وہ میری ہی بخشی ہوئی آسمانی طاقت کے بل پر اُچھل رہا ہے۔ مگر کیا اس کی یہ طاقت مجھ پر بھی چل سکے گی۔ کیا میں یہ طاقت اس سے واپس نہیں لے سکتا؟"

وزیر نے فوراً ہی سجدہ کیا اور پھر ادب سی ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگا۔ "حضُور، خُداوند خُدا ہیں۔ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ امیر حمزہ کی کیا حیثیت جو حضور پر غالب آ سکے مگر جس طرح دریا کو بخشی ہوئی روانی اور سُورج کو بخشی

ہوئی آگ سے محروم کر دینا حضور کی شان کے خلاف ہے، اسی طرح امیر حمزہ سے بخشی ہوئی قُوّت چھین لینا بھی حضور کی فیاضی کے خلاف ہے۔ ابھی دنیا حضور کے جاں نثار بہادُروں سے خالی نہیں۔ حضور کا کوئی ادنیٰ فدائی بھی امیر حمزہ کا غُرور خاک میں مِلا سکتا ہے۔ پھر حضور کو اسی جگہ اس کا مقابلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں نہ یہاں سے نِکل کر کسی ایسی جگہ قیام فرمائیں جو امیر اور اِس کے ساتھیوں کے لیے قبرستان بن جائے۔"

"کچھ بھی ہُو" لقا زور سے چنگھاڑا "اپنے ایک بندے سے ڈر کر میں دُوسرے بندے کی پناہ میں نہیں جاؤں گا۔ میں خُداوندِ خُدا ہوں۔ دیکھتا نہیں امیر حمزہ ہزار شکل کے طلِسم کیسے فتح کرتا ہے۔ میں اسے یہیں فنا کر دوں گا۔"

ابنِ ادنیٰ

نو سو ننانویں طلِسم کو برباد کرتے ہی امیر حمزہ سجدے میں گر گئے۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ ہزار شکل کا آخری طلِسم تھا۔ اور اسے تباہ کر کے انہوں نے جھوٹی خدائی کے دعوے دار لقا اور فتنوں کی جڑ فرامُرز اور بختیارک کے وجود سے دنیا کو پاک کر دیا ہے۔

اس غلط فہمی کی ایک وجہ گنتی کی بھول تھی۔ اُنہیں صحیح نمبر شُمار یاد نہ رہا تھا۔ دوسرا اہم سبب یہ تھا کہ اس طلِسم کے محافظ کے قتل ہونے پر جو طوفان آیا تھا۔ وہ بڑا ہی زور دار تھا۔ اور آہ و بکا کا شور بھی پچھلے ہر موقع سے بہت زیادہ تھا۔

امیر اِردگرد سے بالکل بے خبر ہو کر بڑی دیر تک شکرانہ ادا کرتے رہے۔ آخر

کار جب سجدے سے سر اُٹھا کر انہوں نے آنکھ کھولی تو گرد و غبار صاف ہو چکا تھا۔ چیخ و پکار کی آوازیں غائب ہو چکی تھیں۔ اِدھر اُدھر نگاہ دوڑانے پر اُنہیں اندازہ ہوا کہ وہ ایک سر سبز و شاداب علاقے میں ہیں۔ اس جگہ کے بارے میں سوچتے ہوئے اچانک اُنہیں یاد آیا کہ یہ تو ویسا ہی علاقہ ہے جس میں کسی جگہ وہ اپنے ساتھیوں اور لشکر کو چھوڑ کر طلِسم فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

یہ خیال آتے ہی ان کا دل اپنے دوستوں اور فدائیوں سے ملنے کیلئے تڑپ اُٹھا۔ تحقیق کی خاطر وہ قریب کے ایک بلند ٹیلے پر جا چڑھے۔ ایک لمبا چوڑا سبزہ زار ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ کہیں درختوں کے جھُنڈ تھے۔ کہیں جھاڑیوں کے جمگھٹے۔ کہیں ٹیلے تھے کہیں غار۔ کہیں نشیب و فراز تھے اور کہیں ہموار میدان۔ ایک سمت نگاہ جما کر دیکھتے دیکھتے ان کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا۔ دُور خیموں کا ایک شہر سا بسا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اُنہیں یقین ہو گیا کہ یہ انہی کا لشکر ہے۔ وہاں پہنچنے کے خیال سے وہ ٹیلے سے اُترنے لگے۔ اسی

موقع پر اچانک ان کی نگاہ مخالف سمت میں دُور کے ایک ٹیلے پر جا پڑی اور وہ اسی جگہ ٹھٹھک کر رہ گئے۔ درختوں کی اوٹ سے ایک خوبصورت اور شاندار عمارت کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ اس سنّاٹے کی جگہ پر یہ عمارت بڑی پُراسرار محسوس ہوئی۔ کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد اُنہوں نے پلٹ کر لشکر گاہ کی جانب نظر کی۔ جس ٹیلے پر وہ کھڑے تھے وہاں دونوں مقامات کا فاصلہ برابر معلوم ہو رہا تھا۔ جانے کیوں اب کے یہ لشکر بھی اُنہیں پُراسرار سا محسوس ہونے لگا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ عمارت کی طرف جاؤں یا لشکر کی طرف۔

امیر حمزہ کو اپنے طور پر یقین تھا کہ وہ طلِسم کو مکمل طور پر نیست و نابُود کر چکے ہیں مگر اس موقع پر وہ جس دُبدھا میں پڑ گئے تھے اور لشکر گاہ اور عمارت کے بارے میں جس طرح شک کرنے لگے تھے، اس سے پتا چلتا ہے کہ کوئی طاقت اندر ہی اندر اُنہیں احتیاط برتنے کی ہدایت کر رہی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تباہ شُدہ طلِسمات کے نمبر شمار کے بارے میں اُنہیں اپنی غلطی کا احساس

ہو گیا ہو۔ اور یہ احساس اُنہیں یہ سوچنے پر مجبور کر رہا ہو کہ لشکر گاہ اور پُراسرار عمارت کہیں باقی رہے ہوئے آخری طِلِسم کا شُعبدہ نہ ہوں۔

کافی سوچ بچار کے بعد انہوں نے عمارت کی طرف جانا ہی مُناسب سمجھا۔ مصلحت یہ تھی کہ اگر لشکر گاہ میں دشمن ہوئے تو تنہا ہزاروں سے لڑنا پڑے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر عمارت کے لوگ دُشمن نکلے تو وہ بہت تھوڑے ہوں گے ان سے نپٹنا آسان ہو گا۔ پھر اگر عمارت کے لوگ دوست بن گئے تو ایک اچھی پناہ گاہ بھی ہاتھ آجائے گی اور ان کے ذریعے لشکر کی حقیقت بھی معلوم کی جاسکے گی۔

ٹیلے سے اُتر کر وہ بڑے اعتماد کے ساتھ عمارت کی جانب چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے خاصا وقت گزر گیا۔ نہ جانے کتنے اُتار چڑھاؤ اور ہموار میدان انہوں نے طے کر ڈالے۔ اُنہیں خیال ہونے لگا کہ بس اب وہ عمارت کے قریب پہنچنے ہی والے ہیں۔ لیکن ایک بُلندی پر پہنچ کر جب انہوں نے عمارت کی جانب نگاہ کی تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ اب بھی ان سے اتنی دُور نظر آرہی

تھی جتنی پہلی بار دکھائی دی تھی۔ طرح طرح کے وسوسے ان کے دل میں پیدا ہونے لگے مگر چار وناچار آگے ہی بڑھتے گئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک ایسا تنگ اور لہریے دار راستہ ان کے سامنے آیا جس کے دائیں بائیں گھنی جھاڑیوں کی دیوار سی چلی گئی تھی۔ اس راستے میں داخل ہو کر وہ بے جھجک موڑ پر موڑ طے کرنے لگے۔ ایک مقام پر اچانک ایک بڑا سا جانور پیچھے سے دوڑتا ہوا آیا اور ان کے جسم کو رگڑتا ہوا آگے نکل گیا۔ جیسے ہی اس جانور پر ان کی نگاہ پڑی وہ سناٹے میں آگئے۔ یہ جانور ایک زبردست ببر شیر تھا۔ لیکن ابھی شیر پر سے ان کی نگاہ نہ ہٹنے پائی تھی کہ ایک چھوٹا سا جانور ان کے پہلو سے آگے نکل کر شیر کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگا۔ یہ ایک بھیڑیا تھا۔ دونوں میں سے کسی بھی جانور نے پلٹ کر اُن کی طرف نہ دیکھا۔

یہ بات تو امیر حمزہ فوراً ہی سمجھ گئے کہ دونوں میں سے کوئی بھی درندہ اُن پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ بے خبری میں وہ بڑی آسانی سے پیچھے سے ایسا کر سکتے تھے۔ مگر شیر کے پیچھے کسی بھیڑیے کا بھاگنا اور دونوں کا خاموش اور

شریف نظر آنا اُنہیں کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھے اور آگے پیچھے سے چوکنّا رہتے ہوئے وہ تیز تیز قدم اُٹھانے لگے۔ اِس عرصے میں بھیڑیا شیر کے قریب پہنچ گیا اور برابر برابر دوڑتے ہوئے راستہ طے کرنے لگے۔ امیر حمزہ نے بھی درندوں پر نگاہ جمائے ہوئے اپنی رفتار تیز کر دی۔ آخر کار جھاڑیوں کی دیواریں ایک میدان میں جا کر ختم ہو گئیں۔ یہاں سے دونوں جانور دائیں جانب گھُوم کر امیر حمزہ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

امیر جب اس مقام پر پہنچے تو ارادہ تو اُن کا دائیں جانب دیکھنے کا تھا مگر خود بخود اُن کی نگاہیں بائیں جانب اُٹھ گئیں۔ دو خوفناک چیتے اُدھر سے آگے پیچھے بھاگتے چلے آ رہے تھے۔ امیر نے رُک کر تلوار پر ہاتھ مارا اور چوکنّا ہو کر اُنہیں دیکھنے لگے۔ دونوں چیتے اُن کی طرف دیکھے بغیر اُن کے سامنے سے گُزر گئے۔ اب جا کے امیر نے دائیں جانب مُنہ پھیرا۔ پہلی نظر میں انہیں جو کچھ دکھائی دیا اُس پر اُنہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

کھلے میدان میں ایک جگہ ایک چھوٹا سا چبُوترہ تھا۔ اُس کے اوپر پھُوس کا چھپّر تھا۔ چھپّر کے نیچے چٹائی پر ایک سفید داڑھی والے نورانی شکل کے بزرگ آنکھیں بند کیے، دو زانو بیٹھے تھے اور چبوترے کے گرد چاروں طرف جنگلی درندوں کا مجمع تھا۔ ان میں شیر بھی تھے اور چیتے اور بھیڑیے بھی۔ یہ سب ایک دوسرے کے دائیں بائیں آگے پیچھے اِس طرح بے حس و حرکت بیٹھے تھے جیسے زندہ وحشی درندوں کے بجائے اُن کے مجسّمے ہوں۔ بزرگ کے ہونٹ اِس طرح حرکت کر رہے تھے جیسے وہ کچھ پڑھ رہے ہوں۔

کچھ دیر تک امیر حمزہ پگڈنڈی کے نکّڑ پر کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے مگر پھر اُن سے رہا نہ گیا۔ درندوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے بزرگ کے سامنے چبوترے پر جا بیٹھے۔

کچھ دیر بعد بزرگ نے آنکھیں کھول دیں اور اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے دل کو دہلا دینے والی آوازیں آنے لگیں۔ وہ سارے بھیڑیے، چیتے اور شیر جو اب تک چبوترے کے ارد گرد بُت بنے بیٹھے تھے۔ چیختے اور چھلانگیں

لگاتے ہوئے مختلف سمتوں کو بھاگے جا رہے تھے۔ امیر حمزہ نے بڑے ادب سے کہا:

"السّلام علیک یا اہلِ اللہ۔"

بزرگ یہ سُنتے ہی دونوں بازُو پھیلا کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور بولے "وعلیکم السّلام یا امیر حمزہ۔ مرحبا۔ خوش آمدید۔"

امیر حمزہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بزرگ نے اُنہیں بڑی محبّت سے گلے لگایا۔ پھر دونوں بیٹھ گئے۔ امیر حمزہ نے کہا:

"اے مردِ خُدا، میں نے یہاں جو کچھ دیکھا اور سُنا ہے اُس پر حیران ہوں۔ کیا آپ بتائیں گے کہ آپ کون ہیں؟ اِس ویرانے میں کیوں قیام کرتے ہیں اور یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں امیر حمزہ ہوں؟"

بزرگ نے جواب دیا "اے امیر حمزہ میں ایک بندۂ نجس پلید ہوں مگر ایک مُرشدِ کامل کا مُرید ہوں۔ جو کچھ آپ نے دیکھا قُدرت کا معمولی کرشمہ ہے۔ اس پر حیرانی بے کار ہے۔ نام میرا ابنِ ادنیٰ ہے۔ دس سال سے یہاں

درندوں کی تربیت اور اصلاح کے لیے مامور ہوں۔ آج کے دن کے بارے میں میرے مُرشد نے مجھے بتا دیا تھا۔ ہزار شکل کو برباد کر کے آپ یہاں آئیں گے۔ سو میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور اپنے مُرشد کا سلام پیش کرتا ہوں۔"

"خُدا آپ کو جزائے خیر دے۔" امیر حمزہ نے فرمایا۔ "مجھے وہم تھا کہ شاید اب بھی ایک طِلسم سَر کرنا باقی ہے مگر آپ جیسے خُدارسیدہ بزرگ کی مبارک باد اب اس وہم کو دُور کرنے کے لیے کافی ہے۔ہاں ایک اُلجھن اب بھی ہے۔ دُور ایک ٹیلے پر سے میں نے ایک جانب ایک لشکر گاہ اور دوسری جانب ایک عمارت دیکھی تھی۔جب سے میں اُس عمارت کی جانب چلتا چلا آ رہا ہوں مگر وہ اب بھی اُتنی ہی دُور دکھائی دیتی ہے جتنی دُور پہلے تھی۔ کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ وہ لشکر کِس کا ہے اور عمارت کِن لوگوں کی ہے؟ اور یہ کہ مجھے کدھر جانا چاہیے؟"

"یاامیر حمزہ۔" ابنِ ادنیٰ نے جواب میں کہا "لشکر گاہ جو آپ نے دیکھی ہے وہ

آپ کی ہے اور عمارت میرے مُرشدِ کامل کی۔ دس سال سے وہ اُس عمارت میں عبادت کر رہے ہیں اور دس سال اور یہ شغل جاری رکھیں گے۔ پس بہتر اور مناسب ہے کہ آپ اپنے لشکر کی جانب روانہ ہو جائیں اور عمارت کی طرف جانے کا خیال دِل میں نہ لائیں۔"

"بہت بہتر۔" امیر حمزہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ کے مُرشد سے ملنے کا بے حد اشتیاق ہے۔ جب عبادت سے فارغ ہوں تو اُن کی خدمت میں میرا سلام پیش فرما دیں اور میری درخواست پیش کریں کہ یا تو میرے پاس تشریف لائیں یا اپنے پاس بُلوائیں۔ خُدا حافِظ۔ اب میں اپنے لشکر کی طرف جاتا ہوں۔ واقعی میرے دوست بے چین ہوں گے۔ جا کے اُنہیں طلِسمِ ہزار شکل کی مکمل تباہی کی خوش خبری سُناتا ہوں؟"

"خُدا حافظ۔" ابنِ ادنیٰ نے کہا۔ پھر دونوں نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ اور امیر حمزہ رخصت ہو کر اپنے لشکر کی برف چل دیے۔

اُدھر امیر حمزہ کے لشکر میں اُن کے فرزند، دوست اور سردار سب پریشان

تھے۔ جب سے امیر اُن سے رخصت ہوئے تھے اُس وقت سے اب تک اُنہیں اُن کی کوئی خبر نہ ملی تھی۔ بالآخر سب نے باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ خواجہ عُمرو کو دریافتِ حال کے لیے روانہ کیا جائے۔ لیکن عُمرو چُونکہ امیر حمزہ کے علاوہ اور کِسی کے کہنے سے کوئی کام نہ کرتا تھا اِس لیے لندھور بن سعدان کو عُمرو کو راضی کرنے کے لیے مُنتخب کیا گیا کہ اُن دِنوں خواجہ عُمرو اُس پر کُچھ مہربان تھے۔ لندھور عُمرو کے خیمے کے سامنے اپنے ہاتھی سے اُترا تو عُمرو کے ایک شاگرد نے بڑھ کر اُس کا اِستقبال کیا اور خوشامدانہ لہجے میں کہنے لگا:

”زہے نصیب، زہے نصیب۔ اس وقت جلتی دوپہر میں حضُور نے کیسے تکلیف کی؟“

لندھور نے ہودے سے نیچے اُترتے ہوئے کہا۔

”میاں کیا بتاؤں۔ ایک بہت ہی اہم مسئلے پر تمہارے اُستاد سے بات کرنی ہے۔ کیا کر رہے ہیں؟“

”کیا بُہت ہی اہم مسئلہ ہے حضور۔“ دربان للچائی ہوئی نگاہوں سے لندھور کی

پیٹی سے لٹکتی ہوئی تھیلی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”ہاں میاں۔ بہت ہی ضروری۔ جس حال میں بھی ہوں جا کے اِطّلاع کر دو۔“

”جو حکم۔“ دربان نے بات بناتے ہوئے کہا۔ ”مگر حضُور وہ ابھی ابھی کھانا کھا کے قیلولے کے لیے لیٹے ہیں۔ اُنہوں نے سخت تاکید کر رکھی ہے کہ چاہے امیر حمزہ ہی کیوں نہ آ جائیں، ایسے وقت کوئی نہ اُٹھائے۔ فرمایئے، کیا کروں؟“

”میاں، کچھ کرو۔ مجھے اِسی وقت ملنا ہے۔“ لندھور نے کہا ”پروا مت کرو۔ اگر وہ تم پر بگڑے تو میں سفارش کر دُوں گا۔“

”نہیں حضور۔“ دربان نخرے کرتا ہوا بولا ”خالی سفارش سے کام نہیں چلے گا۔ آپ کے جاتے ہی وہ مجھ پر پوری سو اشرفیاں جُرمانہ کر دیں گے۔ اور میں ویسے ہی غریب آدمی ہوں۔“

لندھور نے ہنستے ہوئے کہا ”جیسا اُستاد ویسا شاگرد۔ یہ لو۔“ (کمر سے لٹکتی ہوئی تھیلی کھول کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے) ”پوری سو اشرفیاں ہیں۔ اُستاد

جرمانہ کر دیں تو دے دینا۔ بس اب جاؤ جلدی سے خبر کر دو۔"

دربان نے لپک کر تھیلی ہاتھ میں لی اور نیفے میں اُڑستے ہوئے بولا "بس فکر نہ کریں حضُور ابھی جا کے بتاتا ہوں مگر میرا انعام آپ پر اُدھار رہے گا۔"

"ہاں ہاں جاؤ۔ انعام بھی ملے گا۔" لندھور نے ہنستے ہوئے کہا۔

دربان پردہ اُٹھا کر خیمے کے اندر چلا گیا۔ خواجہ عُمرو اُس وقت اپنی زنبیل سے روپے، اشرفیاں، سونے چاندی کے برتن اور ہیرے جواہرات وغیرہ نکال نکال کر سامنے قطار در قطار رکھتے جاتے تھے اور دیکھ دیکھ کر کلیجا ٹھنڈا کر رہے تھے۔ شاگرد نے جو ایسے میں آ کے لندھور کے آنے کی اطلاع دی تو پہلے تو اُنھوں نے بُرا سا مُنہ بنایا مگر جب شاگرد نے کہا کہ استاد مال پانی کا پکا آسرا ہے تو اُن کی باچھیں کھِل گئیں۔ سامنے پھیلی ہوئی دولت سمیٹ کر جلدی جلدی زنبیل میں رکھنے لگے اور شاگرد سے کہا کہ تُو بھی مدد کر۔ شاگرد کے دِل کی کلی کھِل گئی۔ اُستاد کے مال پر ہاتھ صاف کرنے کا مُدّت کے بعد موقع مل رہا تھا۔ بڑی صفائی سے ایک ہیرا اُٹھا کر اُس نے انٹی میں کر لیا۔ سب چیزیں

زنبیل میں رکھی جا چکیں تو ہاتھ جھاڑتے ہوئے شاگرد بولا:

"اجازت ہے اُستاد؟ بُلا لاؤں۔"

"ہاں بھیج دے۔" عُمرو نے کہا۔

شاگرد لمبے لمبے قدم اُٹھاتا ہوا باہر کی طرف چلا۔ دِل میں لڈّو پھُوٹ رہے تھے کہ آج کا دن بڑا مُبارک رہا۔ سو اشرفیاں رشوت میں کمائیں اور لاکھوں کا ہیرا الگ ہاتھ لگا۔ وہ بھی اُستاد کا۔

"ٹھہرو۔ اِدھر آؤ۔" اچانک عُمرو کی آواز گونجی۔ شاگرد خیمے کے دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اُس آواز نے اس کے قدم روک دیے۔ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا:

"ج۔جی۔ مم۔ مجھ سے کُچھ کہا آپ نے؟"

"ہاں۔ اِدھر آ۔ تلاشی دے۔"

شاگرد قریب آیا تو اس کے نیفے سے ہیرا اور اشرفیوں کی تھیلی برآمد کرنے

میں عُمرو کو دیر نہ لگی۔ اس نے تھیلی کو کھنکھناتے ہوئے کہا "ابے واقعی تُو تو اب پکّا عیّار ہو گیا ہے۔ یہ اشرفیاں اُڑا کر اِتنی جلدی تھیلی میں کیسے رکھ لیں؟"

"اُستاد، خُدا کی قسم یہ اشرفیاں آپ کی نہیں ہیں۔ یہ میرا مال ہے۔" شاگرد گِڑگِڑایا "چل یونہی سہی مگر میرے ہاتھ میں آنے کے بعد یہ تیرا مال کیسے رہا۔" عُمرو نے مُسکراتے ہوئے کہا اور ہیرے اور تھیلی کو اپنی زنبیل میں رکھتے ہوئے بولا "چل جا۔ لندھور کو بھیج دے۔"

شاگرد بے چارہ مُنہ بسورتا ہُوا باہر چلا گیا۔ جلد ہی لندھور بن سعدان خیمے میں داخل ہُوا اس کو دیکھتے ہی عُمرو غُصّے سے بڑبڑانے لگا:

"بس میاں میرے دن یہاں پورے ہو گئے۔ امیر حمزہ آئیں نہ آئیں۔ میں کہیں کالا مُنہ کر جاؤں گا۔ بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے۔ دو گھڑی آرام کرنا حرام ہو گیا ہے۔ ہُنھ۔ جب جِس کا جی چاہتا ہے گردن سے آکر پکڑ لیتا ہے۔ خواجہ عُمرو نہ ہوئے میراثی یا سائیں ہو گئے۔ آخر چاہتے کیا ہو تُم لوگ؟"

"بھائی عُمر، غصّہ مت کرو۔" لندھور نے عُمرو کے بگڑے تیور دیکھ کر کہا "میں

ویسے ہی پریشان ہوں۔ امیر حمزہ کا کُچھ پتا نہیں چلتا۔ سارا لشکر بے چین ہے۔ سب نے صلاح کر کے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ خُدا کے لیے اُٹھو اور ان کا کچھ پتا چلاؤ۔“

”اچھا تو یہ کہو، تُم سب مجھے قربانی کا بکرا بنانے پر تُلے ہوئے ہو۔“ عُمرو نے کہا۔ ”امیر حمزہ کی تمھیں بڑی فکر ہے مگر کبھی میرا بھی احساس کیا ہے کہ کِن حالوں میں ہُوں؟“

”بھائی عُمرو۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کون آپ کو عزیز نہیں رکھتا۔ خُدا نہ کرے، کیا آپ کو کوئی خاص تکلیف ہے؟“

”لو صاحب، یہ ہیں میرے دوست لندھور بن سعدان۔ امیر حمزہ کے جاں نثار نامی گرامی پہلوان۔ شہنشاہ ہند۔“ عُمرو نے کہا ”میاں، قرض دار یہاں چپّے چپّے میں مجھے ذلیل کرتے پھر رہے ہیں، پانی پانی کو محتاج ہو رہا ہوں اور انہیں خبر ہی نہیں۔ کہتے ہیں کوئی خاص تکلیف ہے؟ قربان جاؤں تمہاری اس ہمدردی کے۔“

اب جا کے لندھور سمجھا کہ خواجہ نخرے دِکھا رہے ہیں۔ رقم کے بغیر سیدھی بات نہ کریں گے۔ اس نے کہا ”خواجہ یاروں سے تکلّف کیوں کرتے ہو۔ جتنی رقم بولو فوراً حاضر کر دی جائے گی، مگر اب ایک پل بھی یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ قرضہ چُکاؤ اور سیدھے امیر کی تلاش میں نِکل جاؤ۔ بولو، کتنی رقم درکار ہے؟“

”معاف کرنا لندھور بھائی۔ قرض داروں کی سختی سے کچھ مزاج بگڑا ہوا تھا۔ ورنہ تُم جانتے ہی ہو کہ میں کتنا خوش اخلاق آدمی ہوں۔ امیر حمزہ کے بارے میں خود میں بھی پریشان رہتا ہوں۔ کئی بار جی میں آئی کہ جا کر ڈھونڈوں مگر یہ کم بخت قرض دار راستہ روک لیتے ہیں۔ بس فی الحال تم دو لاکھ روپے کا بندوبست کر دو۔ باقی بعد میں دیکھا جائے گا۔“

”دیکھو بھائی عُمرو۔ میں نقد رقم لے کر نہیں آیا۔“ لندھور نے اپنے گلے سے سچے موتیوں کا ہار اُتار کر اُس کو دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہار میں نے چار لاکھ کا خریدا تھا۔ اسے رکھ لو اور فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ لوٹ کر آؤ گے تو دو

لاکھ نقد دے کر ہار تُم سے واپس لے لوں گا۔"

"یہ واپسی کا جھگڑا کیوں؟" عُمرو نے ہار کو قابو میں کرتے ہوئے کہا: "میاں ویسے بھی خریدی ہوئی چیز آدھے داموں بکتی ہے۔ مجھے کوئی اپنے پاس تھوڑی رکھنا ہے۔ دم کے دم میں قرض داروں کے پاس چلا جائے گا۔ تُم دیکھنا، وہ اس کے لاکھ ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ نہیں لگائیں گے۔ خیر اب تم جاؤ میں روانگی کی تیّاری کرتا ہوں۔"

لندھور چلا گیا۔ تو عُمرو بھی تیّار ہو کر خیمے سے باہر نکلا۔ پہلے اس کے جی میں آئی کہ جنگل کی سمت سیدھا اس طرف کو جائے جدھر لشکر سے رُخصت ہو کر طلِسمِ ہزار شکل فتح کرنے کے خیال سے امیر حمزہ گئے تھے مگر پھر یہ سوچ کر کہ پہلے فال اور رمل سے امیر کا حال معلوم کیا جائے، وہ حکیم بزُرجمہر کے بیٹوں کے خیمے کی طرف چل دیا۔ یہ حکیم بزُرجمہر نوشیرواں بادشاہ کے وزیر اور امیر حمزہ کے خیر خواہ دوست تھے۔ علم و دانائی کے پیکر تھے اور علمِ نجوم میں اپنے زمانے کے یکتا ماہر تھے۔ اُن کے تین بیٹے تھے تینوں باپ کی مانند قابل

اور نیک نام تھے۔ اور امیر حمزہ کے لشکر میں رہا کرتے تھے۔

عُمرو جب اُن کے خیمے میں پہنچا تو تینوں بھائی کِسی علمی مسئلے پر بحث کر رہے تھے۔ عُمرو کو دیکھتے ہی وہ استقبال کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ارے چچا جان خیریت۔ یہ دوپہر کے وقت کیسے تکلیف کی؟" بڑے بھائی نے کہا۔

"کہیے، مزاج تو اچھّے ہیں؟" منجھلا بولا۔

"بہُت دِنوں میں درشن دیے۔ آیئے، تشریف رکھیے۔" چھوٹے نے ایک کُرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

خواجہ عُمرو کرسی پر پھسکڑا مار کر بیٹھ گئے اور تیوریوں پر بل ڈال کر تینوں بھائیوں کو گھُورنے لگے۔ اُنہوں نے خیر و عافیت پوچھنی شروع کی تو خواجہ ایک دم چِڑ کر بولے۔ "میاں یہ کیا طریقہ ہے؟ کیا بزرگوں سے اِسی طرح پیش آنا چاہیے؟ پریشان چلا آ رہا ہوں اور تُم زبانی خیر و عافیت پوچھے چلے جا رہے ہو۔ حد کر دی۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ جب کبھی میں تمہارے والد

مرحوم کے پاس آیا کرتا تھا تو جب تک وہ بادام کا حلوا اور شربت انار سامنے نہ رکھ دیتے تھے ایک لفظ نہیں بولتے تھے۔" یہ سُن کر تینوں بھائی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مُسکرائے پھر بڑے بھائی نے کہا۔

"معاف کیجیے گا چچا جان۔ آپ کو اچانک دیکھ کر ہم کچھ سٹپٹا گئے تھے۔ ابھی پیش کرتے ہیں۔"

یہ کہ کر اُس نے ملازم کو دونوں چیزیں لانے کا حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ملازم چاندی کی ایک قاب میں بادام کا حلوا اور چاندی کے ایک نقشین کٹورے میں شربت انار لے کر آیا اور تپائی پر عُمرو کے سامنے رکھ دیا۔ عُمرو نے دونوں چیزوں کو دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگا:

"میاں، قصّہ یہ ہے کہ امیر حمزہ کی مسلسل غیر حاضری سے لشکر بد دل ہو رہا ہے۔ سب نے مِل کر مجھے اُن کی تلاش میں جانے پر مجبور کیا ہے۔ تُم جانتے ہو کہ وہ لقا فرامُرز اور بختیارک کے تعاقب میں طلِسمِ ہزار شکل میں گئے تھے۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں، کدھر جاؤں؟ ذرا حساب لگا کر بتاؤ

کہ مجھے کِس سمت جانا چاہیے۔"

"بہت بہتر چچا جان۔ ہم ابھی معلوم کرتے ہیں۔" بڑے بھائی نے کہا اور چھوٹے بھائیوں کو اشارہ کیا۔ تینوں فال اور نجوم کے حساب میں لگ گئے۔ کوئی کتاب دیکھنے لگا کوئی قُرعہ پھینکنے لگا اور کوئی کاغذ پر تقسیم کرنے لگا۔ عُمرو نے موقع غنیمت جان کر حلوہ صاف کرنا شروع کر دیا۔

جتنی دیر میں عُمرو نے حلوا اور شربت ختم کیا، اِتنے میں تینوں بھائی بھی اپنے حساب سے فارغ ہو گئے۔ عُمرو نے ڈکار لے کر پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پُوچھا۔

"ہاں بھئی کیا معلوم ہوا؟"

بڑے بھائی نے جواب دیا "لقا فرامُرز اور بختیارک زندہ ہیں اور ایک مضبوط طِلسم میں محفوظ ہیں۔ امیر حمزہ بھی خیریت سے ہیں۔ اُنہوں نے ہزار شکل کے سارے طِلسم برباد کر دیئے ہیں۔ بس وہی ایک باقی بچا ہے جس میں لقا وغیرہ ہیں۔ ایک زبردست جادُوگر اور عیّار اس طِلسم کا محافظ ہے۔ نام اس کا

ابنِ ادنیٰ ہے۔ ایک بزرگ کے بھیس میں اُس نے امیر حمزہ کو بہکا دیا ہے۔ اور وہ اب شمال کی جانب سے لشکر گاہ کی جانب واپس آ رہے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔" عُمرو نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اِسی اثنا میں مُلازم آ کر چاندی کی وہ قاب اور کٹورا اُٹھانے لگا جس میں وہ حلوا اور شربت لے کر آیا تھا۔ عُمرو نے اُس کا ہاتھ روک کر دونوں چیزیں غور سے دیکھیں اور پھر اُنہیں اپنی زنبیل میں ڈالتے ہوئے بولا "ہیں تو دونوں گھٹیا اور معمولی مگر سفر پر جا رہا ہوں کام آئیں گی۔"

ملازم نے بے بسی کے ساتھ تینوں بھائیوں کی طرف دیکھا وہ آنکھیں مچکاتے ہوئے مُسکرانے لگے۔ عُمرو تیر کی طرح خیمے سے باہر نِکل گیا۔

لندھور کی گرفتاری

امیر حمزہ تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے لشکر گاہ کی جانب بڑھے چلے آرہے تھے۔ فاصلہ دم بدم کم ہوتا جارہا تھا۔ ایک بُلندی طے کرتے ہوئے وہ اچانک رُک گئے۔ اُن کا لشکر اُن کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ شکلیں بے شک اب بھی نہ پہچانی جاسکتی تھیں لیکن چلتے پھرتے ہوئے جانور اور آدمی صاف دکھائی دیتے تھے۔ امیر حمزہ کا چہرہ کِھل اُٹھا۔ اُنہیں یقین ہو گیا کہ بے شک یہ اُنہی کا لشکر ہے۔

بُلندی سے اُتر کر وہ پھر آگے بڑھنے لگے۔ مگر ابھی دس قدم بھی نہ چل پائے تھے کہ ایک چیز کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ لمبا پتلا اور مخنچو جیسا ایک شخص ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے ہرن کی طرح طرارے بھرتا سامنے سے دوڑا چلا آرہا تھا۔

اس شخص کو پہچاننے میں امیر حمزہ کو بالکل دیر نہ لگی۔ ان کے لبوں پر بے ساختہ مُسکراہٹ پھیل گئی۔ آنے والا اُن کا بچپن کا یار عمرو عیار تھا۔ وہ اُسے بغل گیر کرنے کے خیال سے اپنے دونوں بازو پھیلا کر کھڑے ہو گئے۔ عُمرو ناگواری کے ساتھ اُن سے کئی قدم کے فاصلے پر رُک گیا اور اُنہیں خاموشی کے ساتھ اجنبی نگاہوں سے گھُورنے لگا۔

امیر حمزہ حیران رہ گئے۔ اُنہوں نے بُرا مانتے ہوئے اس سے کہا "عُمرو بھائی، تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگا؟ یا کسی سے لڑ کر آ رہے ہو؟"

"تمہیں مجھ سے ایسی باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں۔ میں تمہیں نہیں پہچانتا۔" عُمرو نے رُوکھے پن سے جواب دیا "میرا راستہ چھوڑ دو بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔"

"اچھا یار، ختم کرو نخرے کو۔" امیر حمزہ نے آگے قدم اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "اور ایک خوش خبری سُنو۔ میں طلِسم ہزار شکل تباہ کر آیا ہوں۔ خدائی کا دعویدار زمرّد شاہ باختری مع فرامُرز اور بختیارک مَردود کے جہنّم واصل ہوا

اب ہم کل ہی وطن روانہ ہو جائیں گے۔"

"اچھا، تو یہ کام تُم نے کر ڈالا؟" عُمرو نے مُنہ چِڑا کر کہا۔ "ہم نے تو سُنا تھا کہ اس کا سہرا امیر حمزہ کے سر بندھے گا۔"

"ابے گاؤدی" امیر حمزہ نے بگڑتے ہوئے کہا "تو پھر کیا میں حمزہ نہیں کوئی اور ہوں؟"

"ہر گز نہیں" عُمرو نے بھی چیختے ہوئے کہا "یا تو تُم امیر حمزہ نہیں۔ اور اگر ہو تو ہر گز تُم نے طلسم ہزار شکل کو مکمل طور پر برباد نہیں کیا۔ آخری طِلسم باقی ہے اور لقا، فرامُرز اور بختیارک اس میں محفوظ ہیں۔"

"عُمرو" امیر حمزہ نے سمجھاتے ہوئے کہا "تو گھاس کھا گیا ہے یا تجھے کِسی نے بہکایا ہے۔ واپس لشکر میں چل۔ وقت نہ خراب کر میں تجھے اطمینان سے ساری تفصیل بتاؤں گا۔"

"بس۔ آپ لشکر میں تشریف لے جایئے۔ مجھ سے زیادہ نہ سر کھپایئے۔" عُمرو نے ایک طرف کو ہٹتے ہوئے کہا "کان کھول کر سُن لیجئے۔ اب مجھ جیسے

عیّار نامدار کا آپ جیسے عقل کے کورے کے ساتھ ایک پل گزارنا بھی باعثِ شرم ہے۔ میں ہرگز ایسے شخص کی خدمت میں رہ کر فخر نہیں کر سکتا جس نے خطرناک دشمنوں کو پنپنے کے لیے چھوڑ دیا ہو اور ابنِ ادنیٰ جیسے مَردود کے فریب میں آکر اپنی منزل سے مُنہ موڑ لیا ہو۔"

"عمرو!" امیر حمزہ غضبناک ہو کر گرج اُٹھے۔ "خبردار۔ ابنِ ادنیٰ کو دوبارہ مَردود مت کہنا ان جیسا مُقدّس اور بلند مرتبہ بزرگ میں نے روئے زمین پر نہیں دیکھا۔ فوراً توبہ کر۔ نہیں تو ابھی زمین سے تیری ناک رگڑ دوں گا۔"

"اچھّی بات ہے۔" عُمرو نے سنبھلتے ہوئے کہا "اگر وہ ایسے ہی پہنچے ہوئے بزُرگ ہیں تو اب سے میں اُنہی کی خدمت میں رہوں گا۔ لو، میں جاتا ہوں۔ روک سکو تو روک لو۔" یہ کہہ کر عُمرو نے چھلانگ لگائی۔

امیر حمزہ نے جھپٹ کر اُسے دبوچنے کی کوشش کی مگر وہ ڈبکی لگا کر صاف نکل گیا۔ امیر چند قدم اُس کے پیچھے بھاگے، پھر بے بس سے کھڑے ہو کر اُسے دیکھنے لگے۔ عُمرو ان کی پہنچ سے دُور تیز ہوا کی مانند اُڑا چلا جا رہا تھا۔ دوڑنے کی

یہ غیر معمولی طاقت اُسے نبیوں کی عنایت سے حاصِل ہوئی تھی۔ دُنیا کا کوئی شخص یا طاقتور گھوڑا بھی اس کی گرد کو نہ پا سکتا تھا۔

عُمرو نے اس طرح بگڑ کر چلے جانے سے امیر حمزہ کی ساری خُوشی خاک میں مِل گئی۔ غُصّے اور افسوس کی حالت میں وہ بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے لشکر میں آئے۔ اُنہیں دیکھتے ہی لوگوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آناً فاناً اُن کی واپسی کی خبر ہر طرف پھیل گئی۔ جیسے ہی وہ اپنی آرام گام میں پُہنچے، اُن کے فرزند، دوست اور سردار جوق در جوق شامیانے میں سلام کے لیے جمع ہونے لگے۔

امیر حمزہ نے آرام گاہ میں داخل ہوتے ہی ملازموں کو حکم دیا۔ "کوئی میرے پاس نہ آئے۔ اگر لوگ شامیانے میں جمع ہوں تو کہہ دینا امیر تھکے ہوئے ہیں۔ آج کِسی سے ملاقات نہیں کریں گے۔ جِس کو آنا ہو کل صُبح آئے۔" اس حکم کے مطابق آرام گاہ کے دروازوں پر کڑا پہرہ لگ گیا۔ جو لوگ شامیانے میں جمع ہو چکے تھے وہ رُخصت ہو گئے۔

اس رات امیر خاصی رات گئے تک نہ سو سکے۔ بچپن کے بے تکلّف دوست

اور ہزار مُصیبتوں میں کام آنے والے ساتھی کی علیحدگی ان پر شاق گزر رہی تھی۔ رہ رہ کر اُنہیں افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں وہ اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ آخری طلِسم اور لقا وغیرہ کے محفوظ رہنے اور ابنِ ادنیٰ کے بارے میں جب وہ عُمرو کے الفاظ یاد کرتے تو اور بھی بے چین ہو جائے۔ طرح طرح کے سوال اُن کے دِل میں پیدا ہوتے۔ کیا آخری طلِسم باقی ہے؟ لقا، فرامُرز اور بختیارک زندہ ہیں؟ ابنِ ادنیٰ عیّار جادُوگر ہے؟ یہ بات بار بار ان کے دل میں چٹکیاں لیتی کہ آخر عُمرو کو ابنِ ادنیٰ کا نام کیسے معلوم ہوا؟ اس نے طلِسم کے بارے میں میرے بیان سے اختلاف کیوں کیا؟ ضرور کسی خاص ذریعے سے اُسے اس کی خبر ملی ہو گی۔ کاش میں اس کے کہے پر ٹھنڈے دِل سے غور کرتا۔ کاش میں اس سے اصل ذریعہ پوچھتا یا وہ خود ہی بیان کر دیتا۔

دوسرے دن صبح کو امیر نے شامیانے میں دربار کیا۔ اس موقع پر تمام سردار اور امیر کے فرزند موجود تھے۔ بزرجمہر کے تینوں فرزند، خواجہ بزُرگ اُمّید، خواجہ سیاوُش اور خواجہ دریادِل بھی حاضر تھے۔ عُمرو کے بارے میں تفتیش

کرتے ہوئے جب اُن حکیم زادوں سے امیر کو معلوم ہوا کہ عُمرو نے جو کُچھ کہا تھا بے بنیاد نہ تھا تو شرم سے اُن کی پیشانی پر پسینہ آ گیا۔ چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد اُنہوں نے لندھور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اے عزیز، میں عُمرو سے سخت شرمندہ ہوں۔ اُسے دیکھنے کے لیے بے قرار ہوں۔ سنا ہے اِن دِنوں وہ تیری بات بُہت مانتا ہے۔ تجھے اپنا دوست گردانتا ہے۔ پس تو اسی وقت جا اور جس طرح بن پڑے اُسے منا کے واپس لے آ۔ یہاں سے سیدھے شمال کی جانب وہ کہیں نہ کہیں تجھے ضُرور مل جائے گا۔ اگر وہ ضد نہ چھوڑے تو کہنا، آخری طِلسم فتح کئے بغیر لوٹ آنے سے امیر کا دل کباب ہے۔ پل پل اُن کے لئے عذاب ہے۔ جب تک تُو نہ پلٹ آئے گا، حمزہ ہرگز اُس طرف قدم نہ اُٹھائے گا۔ بس اب تُو فوراً روانہ ہو جا اور دوپہر تک ہر حالت میں عُمرو سمیت واپس آ جا۔ خُدا تیرا مددگار ہو۔"

لندھور یہ سن کر اپنی نشست سے اُٹھ کھڑا ہوا اور ادب سے سر جھکا کر بولا "اے عالی قدر امیر، اطمینان رکھیے۔ میں اِسی دم جاتا ہوں۔ جس طرح ممکن

ہوا خواجہ عُمرو کو منا کے لے آتا ہوں۔ ابھی صُبح ہے۔ مجھے امید ہے کہ دوپہر تک ضرور بامُراد واپس آجاؤں گا۔ خُدا حافظ۔"

"خُدا حافظ" امیر حمزہ نے کہا اور لندھور تعظیم پیش کر کے شامیانے سے باہر نکل گیا۔

اب خواجہ عُمرو کا حال سُنیے۔

امیر حمزہ کے سامنے سے ہوا ہونے کے بعد شمال کی سمت وہ مُسلسل دوڑتا چلا گیا کئی میدان اور اُتار چڑھاؤ پار کر کے وہ جھاڑیوں کے درمیان کے ایک تنگ اور لہریئے دار راستے پر جا پہنچا۔ یہ راستہ ختم ہوا تو اس نے ایک کشادہ میدان اپنے سامنے پایا۔ اس میدان کے دائیں حصّے کی جانب ایک چبوترا اور اس کے اوپر پڑا ہوا پھُوس کا ایک چھپر دیکھ کر وہ رُک گیا۔ ابنِ ادنیٰ کے ٹھکانے کے بارے میں امیر حمزہ نے اُسے کچھ بھی نہ بتایا تھا۔ مگر خُود بخُود اس کے دل میں خیال پیدا ہو گیا کہ ہو نہ ہو ابنِ ادنیٰ کا یہی ڈیرا ہے۔ چھپر کے نیچے یا ارد گرد دُور دُور تک کہیں کوئی آدم زاد نہ دکھائی دیتا تھا۔ مگر چونکہ عُمرو کو یہ

معلوم ہو چکا تھا کہ ابنِ ادنیٰ ہزار سال کے آخری اور مضبوط ترین طلِسم کا محافظ ہے، اس لیے یہ سنّاٹا دیکھ کر وہ مایوس نہ ہوا۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ چھپر کے نیچے جا کر بیٹھ رہا تو ابنِ ادنیٰ کسی نہ کسی جانب سے ضرور ظاہر ہو گا۔

عُمرو کا یہ خیال سو فیصد درست ثابت ہوا۔ چھپر کے نیچے بیٹھے ہوئے اُسے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ پُشت کی جانب کچھ آہٹ محسوس ہوئی۔ ساتھ ہی آواز آئی "السّلام علیکم یا عُمرو!"

عُمرو نے پلٹ کر دیکھا تو سنّاٹے میں آ گیا۔ چبوترے کے نیچے ایک نورانی چہرے والا شخص شیر ببر پر بیٹھا تھا۔ شیر کی ایّال اُس کے دونوں ہاتھوں میں لگام کی طرح لپٹی ہوئی تھی۔

"تُم پر خُداوندِ لقا کی رحمت ہو۔" عُمرو نے جواب میں کہا۔

شیر پر سوار شخص کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ وہ نیچے اُتر کر چبوترے پر چڑھنے لگا۔ اسی لمحے شیر پلٹا اور بادل کی طرح گرجتا اور بجلی کی طرح کڑکتا ایک سمت جا کر نگاہوں سے غائب ہو گیا۔

”کیا ابنِ ادنیٰ تمھیں ہو؟“ وہ بزرگ چبوترے پر آکر بیٹھا ہی تھا کہ عُمرو نے اُس سے پُوچھا۔

”ہاں۔“ ابنِ ادنیٰ نے کہا اور سوال کیا ”کیا تم دینِ ابراہیمی چھوڑ کے خُداوندِ لقا پر ایمان لے آئے ہو؟“

”بالکل۔ اور یہی نہیں، اب میں امیر حمزہ کی صحبت سے بھی بیزار ہوں اور خُداوندِ لقا کی سرپرستی کا طلب گار ہوں۔ تُمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ میری مدد کرو۔ جلد سے جلد اُن کی خدمت میں پیش کرو۔ فرامُرز اور بختیارک مجھ سے خُوب واقف ہیں۔ مجھے وہ ملازمت پر آمادہ پاتے ہی اپنی ناک کا بال بنالیں گے اور تجھے بھی نہال کر دیں گے۔ بس یہ سمجھ لے امیر حمزہ کا جو آج نام ہے، وہ سب میرا ہی کام ہے۔ میں جِس کا مخالف ہو جاؤں، اس کے مقدّر میں خواری ہے۔ جس کا دوست بن جاؤں، اُسی کا پلڑا بھاری ہے۔“

”اے عُمرو، بیان کرنے کی کُچھ حاجت نہیں۔ تیرے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔“ ابنِ ادنیٰ نے کہا اور چند ثانیے کچھ سوچ کر فکر مند لہجے میں بولا

"تُو نے مجھے بڑی مشکل میں مبتلا کر دیا ہے۔ آخری طلِسم خداوندِ لقا کی آخری پناہ گاہ ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی صورت بھی امیر حمزہ اس طرف جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ دیر پہلے یہ بات میں نے اُن کے دِل میں بٹھا دی ہے کہ اب یہاں کوئی طلِسم باقی نہیں ہے۔ اگر تجھے ہم نے اپنی پناہ میں لیا تو اس کو کسی نہ کسی طرح اِس کا پتا چل جائے گا اور وہ ضُرور طلِسم کا رُخ کرے گا۔"

"اے ابنِ ادنیٰ!" عُمرو نے کہا "تُو سخت دھوکے میں ہے۔ مجھے پناہ دے یا نہ دے مگر یہ جان لے کہ لشکر میں پہنچتے ہی امیر کو تیرے فریب کا حال معلوم ہو جائے گا۔ اور وہ جلد ہی طلِسم کو سر کرنے کے لیے روانہ ہو جائے گا۔ حکیم بزُرجمہر کے جن لڑکوں نے مجھ پر تیری اور طلِسم کی حقیقت ظاہر کی ہے وہی اُسے بھی بتا دیں گے۔ پس بہتر یہی ہے کہ یہ خُوش فہمی ترک کر اور میری دوستی اور عیّاری پر بھروسا کر۔ میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ خُداوندِ لقا کی عنایت سے تجھے ہر طرح کے اندیشوں سے چھڑاؤں گا اور امیر حمزہ اور اس کے سارے ساتھیوں کو پُورا پُورا مزہ چکھاؤں گا۔"

ابنِ ادنیٰ عُمرو کے ایک ایک لفظ پر غور کرتا رہا اور پھر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا "اے عُمرو، اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تُو خُداوندِ لقا کا ہر حالت میں وفادار رہے گا؟"

"ثبوت میں ابھی پیش کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر عُمرو نے اپنی زنبیل میں ہاتھ ڈالا۔ اور ایک گیند نکال کر اس کی آنکھوں کے قریب کرتے ہوئے بولا "غور سے دیکھ۔ میرے دل کی ہر بات اس میں نظر آجاتی ہے۔"

ابنِ ادنیٰ نے گیند پر نگاہیں جما دیں۔ گیند چکنی اور چمک دار ضرور تھی مگر نہ اس میں کوئی تحریر دکھائی دے رہی تھی نہ کوئی شکل۔ ابنِ ادنیٰ کچھ کہنا بھی چاہتا تھا کہ عُمرو نے گیند کو دبا دیا۔ پھُس کی آواز کے ساتھ ہی سفوفِ بے ہوشی کی پھوہار ابنِ ادنیٰ کی ناک میں داخل ہوئی۔ اس نے ایک چھینک لی اور بے ہوش ہو گیا۔ عُمرو نے پھُرتی سے اُس کے ہاتھ پیر ریشمی ڈوری سے باندھ دیے۔ اور پھر اُس کے سینے پر سوار ہو کر اُسے لخلخہ سنگھانے لگا۔ ابنِ ادنیٰ ہوش میں آ گیا۔ اب عُمرو نے لخلخہ رکھ کر خنجر نکالا اور اُس کی نوک ابنِ ادنیٰ

کی گردن پر رکھتے ہوئے بولا:

"اے ابنِ ادنیٰ، تُو میرے قابو میں ہے۔ بول کیا تجھے کوئی میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے؟"

"اے عُمرو، کیا وفاداری کا ثبوت اِسی طرح دیا جاتا ہے؟ کیا تُو اسی لیے آیا تھا کہ گھر سے قابو پا کر مجھے ہلاک کرے اور آخری طلِسم کا کام تمام کرے؟ کیا خُداوندِ لقا کی خدمت اور بندگی کا تیرا دعویٰ ڈھونگ تھا؟"

"اے ابنِ ادنیٰ" عُمرو اس کے سینے سے اُترتے ہوئے بولا۔ "اپنی وفاداری کا اس سے بہتر ثبوت میں اِس وقت نہیں پیش کر سکتا۔ اگر میرے دل میں تجھ سے بُرائی اور خُداوندِ لقا کی بے وفائی ہوتی تو یہ خنجر اب تک کئی بار تیرے سینے کے پار ہو چکا ہوتا۔ مگر تُو یہ دیکھ لے کہ تجھ پر قابُو پانے کے باوجود میں تجھ سے کیا سلوک کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر عُمرو نے ابنِ ادنیٰ کے ہاتھ پیروں کے سارے بند کاٹ دیے۔ وہ حیرت اور شک کی نگاہوں سے عُمرو کو دیکھنے لگا۔ عُمرو نے فوراً اپنا خنجر اُس کے

سامنے چٹائی پر پھینکتے ہوئے کہا:

"اگر تُو میری اس حرکت سے ناراض ہوا ہے تو اس خنجر سے جس طرح چاہے سزا دے۔ اُف تک نہ کروں گا۔ اور اگر تجھے میری وفاداری کا یقین آ گیا ہے تو اب دیر نہ کر۔ جلد مجھے خداوندِ لقا کے دربار میں لے چل۔"

"اے عُمرو، خداوندِ لقا کی قسم، میرا دل تجھ سے صاف ہوا۔ پر یہ جان لے کہ تیرے سفوفِ بے ہوشی نے مجھ پر کوئی اثر نہ کیا تھا۔ نہ تیرا خنجر مجھے کچھ تکلیف دے سکتا تھا۔ صرف تیری نیّت کا پتا چلانے کے لیے میں نے بے ہوشی کا سوانگ رچایا تھا۔ اگر تو مجھ پر خنجر کا وار کرتا یا قیدی بنا کر امیر حمزہ کے پاس لے جانے کا خیال کرتا، تو میں چُٹکی بجاتے میں تیری گرفت سے آزاد ہو جاتا اور جو جی میں آتا تیرے ساتھ کر گُزرتا۔"

"سُن لے کہ میں ہزار شکل، کے آخری طلِسم کا محافظ ہوں۔ سوائے حیدر کرّار کی تلوار کے دنیا کا کوئی ہتھیار مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور حیدر کرّار کی تلوار ابھی پردۂ غیب میں ہے۔"

یہ راز کی بات بتاتے ہی ابنِ ادنیٰ نے اپنے جوش پر قابو پا لیا اور کچھ سوچتے ہوئے بولا "مجھے بھروسا ہے کہ خُداوندِ لقا تجھے دیکھ کر بے حد مسرور ہو گا۔ مگر بغیر حکم یا اِجازت میرا تجھے وہاں لے جانا خلافِ دستور ہو گا۔ پس آج کی رات تو یہیں بسر کر۔ کل تک کے لیے حوصلے سے صبر کرو۔ میں اِسی وقت دربارِ خُداوندی کو جاتا ہوں۔ جیسے ہی موقع ملا، تیرا سارا حال کہہ سُناؤں گا اور ہر حاضری کی اجازت لے کر کل دن نکلتے نکلتے لوٹ آؤں گا۔" یہ کہہ کر ابنِ ادنیٰ رُخصت ہونے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

عُمرو نے اُٹھ کر اُسے الوداع کہا۔ چلتے چلتے ابنِ ادنیٰ نے اُس کو تسلّی دیتے ہوئے کہا "اس ویرانے چھپّر اور چبوترے کو حقیر جان کر دل چھوٹا کرنا۔ جب تو آرام کرنا چاہے گا، اِس چٹائی کو نرم مخمل کی قالین پائے گا۔ کھانے پینے اور آرام کا جو بھی سامان آواز دے کر طلب کرے گا، تیرے سامنے غیب سے آ جائے گا۔"

یہ بات ختم کر کے ابنِ ادنیٰ نے جانے کے لیے قدم اُٹھایا۔ عین اُسی لمحے وہی

پہلے والا ببر شیر جانے کِدھر سے آیا اور چبُوترے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ابنِ ادنیٰ نے اس کی ایّال کو دائیں بائیں سے لگام کی طرح مُٹھّی میں جکڑا اور اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شیر نے چند زقندیں بھریں اور نگاہوں سے غائب ہو گیا۔

وہ رات عُمرو نے بڑے عیش میں گزاری۔ قسم قسم کے کھانے، مٹھائیاں، میوے اور پھل سونے چاندی کی پلیٹوں میں منگوائے۔ جو کھائے سو کھائے باقی برتنوں سمیت زنبیل میں چھُپائے۔ کھا پی کر راگ رنگ کی سوجھی۔ رُعب کے ساتھ آواز دے کر سازندوں، موسیقاروں اور رقّاصوں کو بُلوایا۔ جنگل میں منگل منایا۔ دوسرے دن دیر تک پڑا سوتا رہا۔ آنکھ تب کھلی جب سورج کی گرمی اور چمک چہرے کو لگی۔ ہڑبڑا کر اُٹھا۔ اِدھر اُدھر سر گھمایا۔ اپنے سوا کسی کو نہ پایا۔ بے فکری کے ساتھ ہاتھ مُنہ دھویا۔ ضروریات سے فراغت پائی۔ ناشتہ منگایا اور خوب ڈٹ کر کھایا۔ ناشتے سے نپٹ کر چھپر کے سائے میں ہو بیٹھا اور اطمینان کے ساتھ ابنِ ادنیٰ کا انتظار کرنے لگا۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اک جانب سے ایک ببر شیر آتا دکھائی دیا۔ اس کی پیٹھ پر ابنِ ادنیٰ بیٹھا تھا۔ عُمرو اس کے استقبال کو اُٹھ کھڑا ہُوا۔ جیسے ہی ابنِ ادنیٰ نے شیر سے اُتر کر چبوترے پر پیر ٹکایا۔ عُمرو نے اس کی پیشوائی کے لیے قدم بڑھایا۔ ابنِ ادنیٰ نے لپک کر عُمرو کو گلے لگایا اور فوراً اسے لقا کی طلبی کا مُژدہ سُنایا۔ عُمرو نے خوش ہو کر اسی دم روانہ ہونے کی بے تابی دکھائی۔ اس پر ابنِ ادنیٰ نے جنگل کی طرف مُنہ کر کے انگلی اُٹھائی۔ پلک جھپکتے میں اس جانب سے ایک ببر شیر چھلانگیں لگاتا ہوا آیا اور پہلے شیر کے پیچھے چبوترے کے برابر کھڑا ہو گیا۔ ابنِ ادنیٰ نے عُمرو کو اس پر سوار ہونے کا اشارہ کیا اور خود اپنے شیر کی طرف بڑھا۔ عین اسی موقع پر نجانے کہاں سے ایک کوّا آیا اور چھپّر پر بیٹھ کر زور زور سے کائیں کائیں کرنے لگا۔

ابنِ ادنیٰ نے چونک کر کوّے کی طرف دیکھا تو عُمرو بھی کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر کوّے کی کائیں کائیں کو غور سے سُننے کے بعد ابنِ ادنیٰ نے عُمرو کی طرف مُنہ کیا اور بولا:

"اے عُمرو حمزہ سخت پشیمان ہے اور تجھ سے ملنے کے لیے پریشان ہے۔ تیرے منانے کو اس نے لندھور کو روانہ کیا ہے جو اپنے ہاتھی پر بیٹھ کر بھاگم بھاگ ہماری طرف چلا آرہا ہے۔"

"بہت خوب، گویا یہ کوّا یہی خبر لایا ہے۔ درندوں کی طرح تُم نے یہاں کے پرندوں کو بھی اپنا آلہ کار بنایا ہے۔" عُمرو نے کہا۔

"ہاں۔ یہ سب میری جادُوئی طاقت کا ادنیٰ کرشمہ اور خُداوندِ لقا پر ایمان کا نتیجہ ہے۔ خیر کیا خیال ہے۔ اب چلوگے یا اس آنے والے سے مِلوگے؟"

عُمرو فکر میں پڑ گیا مگر جلد ہی کچھ سوچ کر بولا "چلنا تو خیر ہے ہی۔ کیوں نہ لگے ہاتھوں اس آنے والے سے بھی دو باتیں کر لُوں۔ جلی کٹی سُنا کر دِل کا کچھ اور بوجھ ہلکا کر لوں۔ بندہ پہلی بار دربارِ خُداوندی میں حاضری کا شرف پا رہا ہے۔ یہ شرم مارے ڈالتی ہے کہ خالی ہاتھ جا رہا ہے۔ کیا عجب لندھور کی مُلاقات سے کام بن جائے۔ کوئی اچھّا تُحفہ ہاتھ آجائے۔ اگر تُو بُرا نہ مانے تو بہتر ہو گا کہ اِن شیروں کو تھوڑی دیر کے لیے بھگا دے اور خُود کو بھی کسی درخت کی اوٹ

میں چھپالے۔ وُہ مجھے تنہا پائے گا تو بے جھجک قریب چلا آئے گا اور میرا کام بن جائے گا۔"

عُمرو کی باتیں سُن کر ابنِ ادنیٰ زیرِلب مُسکرایا۔ شیروں کی جانب دیکھتے ہوئے اُس نے ایک ہاتھ کو ہلکے سے ہلایا۔

دونوں شیر یک ساتھ بگٹٹ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں غائب ہوگئے۔ اس کے بعد ابنِ ادنیٰ چبوترے سے نیچے اُترا۔ ایک قریبی درخت کی طرف چلا اور پھر اس کے تنے کی اوٹ میں جاکر کھڑا ہوگیا۔ عُمرو نے پلٹ کر اطمینان کے ساتھ چھپّر کے سائے میں نشست جمائی۔ جھاڑیوں والے راستے پر نگاہ دوڑائی۔ تھوڑی ہی دیر میں کیا دیکھتا ہے کہ لندھور کاندھے پر گُرز رکھے ہاتھی کی گردن پر بیٹھا آندھی طوفان کی طرح چلا آتا ہے۔

عُمرو جوں کا توں بیٹھا رہا۔ مگر اس پر نگاہ ڈالتے ہی لندھور چیخ پڑا "عُمرو بھائی۔ خُدا کا شکر ہے کہ تُم مِل گئے۔" قریب پہنچنے پر جیسے ہی وہ ہاتھی کی گردن سے

کُود کر چبُوترے پر آیا عُمرو نے حیرت ظاہر کرنے ہوئے کھڑے ہو کر کہا:

"لندھور بھائی، خیریت تو ہے؟ یہ تمہارا کیا حال ہے؟ نہ ہودہے نہ عماری؟ نہ مہاوت ہے نہ جھول؟ کیا تم بھی میری طرح امیر حمزہ سے لڑ کر آئے ہو؟"

لندھور نے بڑھ کر عُمرو کو گلے لگایا اور بولا "خُدا کا شکر ہے۔ ہر طرح خیریت ہے۔ میں امیر سے لڑ کر نہیں بلکہ انہی کے حکم پر تمہیں ساتھ لے چلنے کے لیے آیا ہوں۔ تیّاری میں دیر لگتی، اس لئے کسی چیز کی پروا نہیں کی۔ کسی مہم یا جنگ پر تو نہیں جانا تھا۔ اب خُدا کے لیے اُٹھو۔ اک پل کی دیر نہ کرو۔ میرے اس حالت میں آنے کی شرم رکھو۔ واپس چلو امیر کو تمہارے ساتھ سختی سے پیش آنے کا بڑا دکھ ہے۔ وہ تُمہاری راہ تک رہے ہیں۔"

دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے سے شکوہ شکایت کرتے رہے۔ آخر عُمرو واپس جانے پہ راضی ہو گیا اور لندھور کی تعریف کرتے ہوئے بولا "لندھور بھائی، آفرین ہے تُم پر۔ دوست ہو تو ایسا ہو۔ تُم سفارش نہ کرتے تو ہرگز میرا دل امیر حمزہ سے صاف نہ ہوتا۔ اچھا ہوا، ٹوٹے دل جُڑ گئے۔ زندگی بھر کی

وفاداری کی آبرو رہ گئی۔ ورنہ میں تو فیصلہ کر چکا تھا کہ امیر حمزہ کا ساتھ چھوڑ دوں گا۔ لقا کی ملازمت اختیار کروں گا۔ بس میں یہاں سے اُس طرف روانہ ہی ہونے والا تھا کہ تُم آ گئے شکر ہے۔ میں کبھی غدّاری اور بدنامی سے بچ گیا۔ لُو، اس خوشی میں مُنہ میٹھا کرو۔ پھر چلتے ہیں۔"

یہ کہہ کر عُمرو نے زنبیل میں ہاتھ ڈالا۔ کچھ دیر نہ جانے کیا کرتا رہا۔ پھر جو ہاتھ باہر نِکالا تو مٹھی میں چار لڈّو تھے۔ یہ لڈّو لندھور کو دے کر اُس نے پھر زنبیل میں ہاتھ ڈالا۔ اس بار بھی اس نے چار لڈّو نکالے مگر اس مرتبہ پہلے جتنی دیر نہ لگائی۔ دونوں مزے سے لے لے کھانے لگے۔

آخر میں عُمرو تو اپنا سارا حصّہ صاف کر کے اطمینان سے ہاتھ مُنہ پونچھنے لگا مگر چوتھا لڈّو حلق سے اُتارتے ہی لندھور کا حال غیر ہونے لگا۔ سر کو جھٹک کے وہ کھڑے ہونے کے لیے اُٹھا۔ مگر چکرا کر لمبا لمبا لیٹ گیا۔ عُمرو نے قریب آ کر اسے زور زور سے ہلایا۔ مگر جب اُسے پُوری طرح بے ہوش پایا تو ابنِ ادنیٰ کو آواز دی۔ جس درخت کی اوٹ میں وہ چھُپا کھڑا تھا، وہ چبوترے سے خاصے

فاصلے پر تھا مگر وہ نہ صرف اُنہیں دیکھ رہا تھا۔ بلکہ جادُو کے زور سے اُن کی گفتگو کا ایک ایک لفظ صاف سُن رہا تھا۔ لڈّو نکالنے سے پہلے عُمرو نے جو فقرے زبان سے نکالے تھے، اُنہیں سُن کر اُسے یقین ہو گیا تھا کہ عُمرو کا خیال پلٹ گیا ہے۔ وہ لقا کے بجائے پھر سے امیر حمزہ کی اطاعت پر کمر بستہ ہو گیا ہے۔ اس بات پر غصّے سے وہ اندر ہی اندر کھولنے لگا اور اسے اپنے جادُو کا نشانہ بنانے کی سوچنے لگا۔ عُمرو کے آواز دینے پر وہ درخت کی اوٹ سے نکلا تو اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے عُمرو کے لیے نفرت و حقارت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ چبوترے پر پہنچ کر جیسے ہی اس نے عُمرو کو ملامت کرنے کے خیال سے مُنہ کھولا، اُس کی نگاہ لندھور پر پڑی۔ اسے بے ہوش دیکھ کر اُس کے الفاظ حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ اس نے کہا "اے عُمرو یہ کیا ماجرا ہے؟ اسے کیا ہو گیا ہے؟"

"یہ امیر حمزہ کے لشکرِ ہراول کا سردار اور بے مثال پہلوان ہے۔ میں نے اسے بے ہوش کر دیا ہے۔ اب میں اسے باندھ کر لے چلوں گا اور خُداوندِ لقا کی

خدمت میں بطورِ تحفہ پیش کروں گا۔“

یہ کہہ عُمرو نے ریشمی ڈوری کا گچھا نکالا، لندھور کے پیروں کو مضبوطی سے باندھا اور اُسے اپنی زنبیل میں ڈال کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ چند لمحے بعد شیروں پر سوار ہو کر دونوں لقا کے طلِسم کی جانب اُڑے چلے جا رہے تھے۔

طِلسم کے راز

درجنوں اُتار چڑھاؤ، جنگل جھاڑیاں اور چھوٹے بڑے میدان طے کرنے کے بعد ایک جگہ ابنِ ادنیٰ کے اشارے پر دونوں شیر رُک گئے۔ اب تک عمرو کو ہر اونچی جگہ سے طِلسمی عمارتیں نظر آتی رہی تھیں۔ جس طرح یہ عمارتیں قریب ہوتی جا رہی تھیں، اس سے اُس نے یہ رائے قائم کی تھی کہ تین چوتھائی سے زیادہ سفر ختم ہو چکا ہے۔ اب جیسے ہی ہم کسی بلندی پر پہنچیں گے، طِلسم کے آثار پہلے سے زیادہ صاف اور قریب نظر آئیں گے۔ لیکن جب ایک چڑھائی طے کر کے وہ اس کے اوپر پہنچے اور عُمرو نے سامنے نگاہ جمائی تو اس کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ نہ طِلسمی ٹیلے کا کہیں پتا تھا نہ اُس پر نظر آنے والی عمارتوں کا۔ نیچے ایک بہت بڑا ہموار میدان تھا اور سامنے جس جگہ

سے یہ ہموار میدان ختم ہوتا تھا اُس کے پیچھے دھند اور غبار کے علاوہ کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔

"یہ کیا ہوا؟" عُمرو نے سوال کیا "طلِسمی عمارتیں کہاں گئیں؟ میدان کے پیچھے یہ دھواں سا کیوں چھایا ہوا ہے؟"

"اس بات کو چھوڑو۔" ابنِ ادنیٰ نے کہا "یہ بتاؤ کیا یہ میدان صاف ہے؟ اس میں تمہیں کچھ نہیں دکھائی دے رہا ہے؟" عُمرو بڑے غور سے میدان میں نگاہیں دوڑانے لگا۔ "اُف! اس میں تو کروڑوں اربوں مکھیاں، مچھر اور پتنگے منڈلا رہے ہیں۔"

"بس؟" ابنِ ادنیٰ نے کہا اور شیروں کو اشارہ کیا۔ دونوں شیر بلندی سے اُتر کر میدان کے کنارے آ کر رُک گئے۔ ذرا اور غور سے دیکھو۔"

عُمرو سٹپٹا کر پھر میدان میں نگاہیں دوڑانے لگا۔ فرش سے لے کر دس بارہ فٹ کی بلندی تک پورے میدان میں مکھیوں، مچھروں اور بھُنگوں کے جھنڈ بُری طرح چکر کھا رہے تھے۔ اُن کی بھنبھناہٹ کا شور اتنا خوف ناک تھا کہ بدن

کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ اِن کے درمیان سے ہو کر جو بھی جاندار گُزرے گا نہ سانس لے سکے گا نہ آنکھیں اور ناک کان کھلے رکھ سکے گا۔ یہ تو تھی فرش سے اُوپر کی مصیبت۔ مگر فرش پر عُمرو نے جو کچھ دیکھا اس پر وہ جھُرجھُری لیے بغیر نہ رہ سکا۔ پورے میدان میں لاکھوں کروڑوں سانپ بچھو اور خوفناک چیونٹے اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ کہیں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔

"گھبراؤ نہیں۔ یہ ہمیں کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے۔" عُمرو کو دہشت زدہ پا کر ابنِ ادنیٰ نے کہا "یہاں سے طلِسم کی حد شروع ہوتی ہے۔ میں یہاں اِس لیے رُک گیا ہوں کہ آگے بڑھنے سے پہلے تُم سے چند باتیں کر لوں۔"

یہ سن کر عُمرو کا ڈر تو خیر جاتا ہی رہا مگر اُسے یہ شُبہ بھی ہو گیا کہ ابن ادنیٰ اُس سے کِسی طرح کا ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔ اُس نے ابنِ ادنیٰ کو گھورتے ہوئے کہا "کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

ابنِ ادنیٰ بولا۔ "خواجہ، میں تمہاری ایک حرکت پہ بُہت حیران ہوں۔ لندھور

جیسے گرانڈیل پہلوان کو تُم نے اپنی دو بالشت کی زنبیل میں کیسے رکھ لیا؟ کیا تم بھی جادُوگر ہو؟"

"ارے بس اِتنی سی بات۔" عُمرو نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "میاں، لندھور تو کچھ بھی نہیں، میں چاہتا تو اُس کے ہاتھی کو بھی اِس جھولی میں ڈال لیتا۔ یہ جادُو نہیں، خُدائی کرامت ہے۔ خُدا کے نبیوں نے مجھے تین چیزی عطا کی ہیں۔ ایک دوڑنے کی غیر معمولی طاقت۔ دنیا کا کوئی انسان مجھ سے دوڑ میں بازی نہیں لے جا سکتا۔ دوسری یہ زنبیل یا جھولی، اس میں ساری دنیا کی چیزیں سما سکتی ہیں۔ کوئی چیز خواہ کتنی ہی بڑی اور وزنی کیوں نہ ہو، اِس کے اندر جا کر دانے برابر ہو جاتی ہے اور نکالو تو پھر پہلے جتنی ہو جاتی ہے۔ تیسرا تحفہ جو مجھے مِلا ہے وہ ایک چادر ہے۔ اس چادر میں یہ صفت ہے کہ اسے اوڑھ لوں تو میں تو سب کو دیکھوں پر خود کِسی کو نظر نہ آؤں۔ جو چیز بھی اُس میں چھپا لوں سب کی نگاہوں سے غائب ہو جائے۔ سو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ اِن میں سے کوئی بھی معاملہ دیکھنا تو نہ حیران ہونا نہ اسے جادو سمجھنا۔ سمجھ گئے؟"

ابنِ ادنیٰ کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ ”سچ ہے۔ آپ کا جواب نہیں۔ اچھا کیا جو یہ باتیں مجھے بتا دیں۔ ویسے آپ یقین رکھیں، خداوند کے حضور آپ کی میں نے پہلے ہی اتنی تعریف کی ہے کہ وہ آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔“ پھر وہ کچھ سوچ کر بولا۔

”عُمرو بھائی، خداوند کے سامنے ذرا خیال رکھیے گا۔ بختیارک کی مخالفت کے ڈر سے میں نے اُن سے یہ بات کہی تھی کہ عُمرو اپنے آپ نہیں بلکہ میرے سمجھانے بُجھانے پر حضور کی مُلازمت کے لیے آمادہ ہوا ہے۔ ایسا نہ کرتا تو بختیارک ہرگز آپ پر بھروسا نہ کرتا اور آپ کے خلاف خداوند کے کان بھرتا؟“

”چلو کوئی بات نہیں۔ تمھاری عزّت رکھنے کے لیے اور بھی جو چاہو کہہ سکتا ہوں۔“ عُمرو اس کی خوشامد سے خوش ہو کر بولا۔

”سچ عُمرو بھائی؟ تو پھر ایک مہربانی اور کرنا۔ معاملہ یہ ہے کہ کل رات تمھاری خاطر داری کا سارا خرچ میں نے اپنی جیب سے بھرا ہے۔ ایک تو تُم نے دل

کھول کر فرمائشیں کیں، دوسرے سونے چاندی کے سارے برتن بھی رکھ لیے ہیں۔ بالکل کنگال ہو گیا ہوں۔ خیر، تم اب میرے بھائی بن چکے ہو۔ نہ خرچے کا مطالبہ کر سکتا ہوں، نہ برتنوں کا۔ بس اتنا کرنا کہ خُداوند تمہیں قیمتی چیزیں اور لمبی رقم انعام دیں تو اس میں سے بھائی سمجھ کے آدھا مال مجھے دے دینا۔"

"اچھا! یہ بات ہے۔" عُمرو نے کہا "گویا تُم ہاتھیوں سے گنّے کھانا چاہتے ہو۔ میاں، خیریت چاہتے ہو تو یہ بات دماغ سے نکال دو کہ کبھی تُم مجھ سے بھی کچھ وصول کر سکتے ہو۔ اس بھول میں نہ رہنا کہ میں کسی پر اپنا حساب چھوڑ سکتا ہوں۔ اب سب سے پہلے فوراً پانچ لاکھ روپے نکالو۔ یہ اس بات کا نذرانہ ہو گا کہ خداوند کے سامنے میں اقرار کروں گا کہ صرف تمہارے سمجھانے بُجھانے سے میں نے اُن کی خدمت میں حاضر ہونا قبول کیا ہے۔ بس زیادہ سوچ بچار نہ کرو۔ رقم نہ ملی تو ایک قدم آگے نہ بڑھاؤں گا۔"

"واہ عُمرو بھائی واہ؟" ابنِ ادنیٰ نے کہا "یہی تمہارا انصاف ہے۔ ایک تو میرا

ہزاروں کا مال ہضم کر گئے۔ دوسرے مجھی سے رقم مانگتے ہو۔ خُداوند کے سامنے جو تمہارا رنگ جمایا ہے اُس کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔ میاں یاد رکھنا۔ میں ساتھ نہ لے جاؤں تو قیامت تک تُم خداوند کی بارگاہ میں نہیں پہنچ سکتے۔ وہاں جو کچھ ملنا ملانا ہے اُس کی حسرت لیے رہ جاؤ گے۔"

"اچھا۔ تو تُم مجھے تڑی دے رہے ہو۔" عُمرو نے بپھرتے ہوئے کہا "گویا تمہارے خداوند کے علاوہ دنیا میں میرا کوئی اور ٹھکانا نہیں۔ میں کوئی دو کوڑی کا آدمی ہوں؟ اچھا یُوں سہی۔ اب دس لاکھ دو گے تب بھی وہاں نہیں جاؤں گا۔ روک سکو تو روک لو۔ سیدھا امیر حمزہ کے پاس واپس جاتا ہوں۔ تم اپنے لالچ میں خداوند کا یہ رہا سہا ٹھکانا بھی برباد کیے بغیر نہ مانو گے۔" یہ کہہ کر عُمرو شیر سے نیچے اُترا اور پلٹ کر جانے لگا۔

ابنِ ادنیٰ نے جو یہ رنگ دیکھا تو اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ وہ لقا کے سامنے عُمرو کو لانے کی شیخی بگھار چُکا تھا۔ خالی ہاتھ جاتا یا جادُو کے زور سے عُمرو کو بے بس کر لے جاتا تو بھانڈا پھوٹ جانے کا ڈر تھا۔ گھبرا کے عُمرو کے پیچھے

بھاگا اور خوشامدیں کرنے لگا۔ پھر بھی عُمرو نخروں سے باز نہ آیا تو لاچار ہو کر اس نے اپنی کمر میں اُڑسی ہوئی ایک تھیلی نکالی اور عمرو کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "اچھا بھائی عُمرو، میں ہار گیا۔ اس میں میری زندگی بھر کی کمائی ہے۔ لے لو اور مجھے معاف کر دو۔ آیندہ کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا۔"

عُمرو نے چند بار اور نہ نہ کیا۔ پھر بُرا سا مُنہ بنا کر تھیلی ہاتھ میں لے لی۔ سچے موتیوں کے علاوہ اس میں پنّا، پکھراج، نیلم اور لعل بھی تھے۔ کم از کم دو ڈھائی لاکھ کا مال تھا۔ عُمرو نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

"ارے! اس میں تو کچھ بھی نہیں۔ مشکل سے بیس پچیس ہزار کے گھٹیا جواہرات ہیں۔ نہیں، اِن سے کام نہیں چلے گا۔ اور نکالو۔" ابنِ ادنیٰ نے گڑ گڑا گڑ گڑا کر اسے یقین دلایا کہ اب اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ آخر عُمرو نے تھیلی کو زنبیل میں ڈالتے ہُوئے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ چلتا ہوں مگر ایک شرط ہے۔ بولو منظور؟"

ابنِ ادنیٰ نے گھبراتے ہوئے پُوچھا۔ "کیا شرط ہے؟"

”دیکھو میاں! تُم خُداوند کے سامنے میرے بارے میں ڈینگ پہلے ہی مار چکے ہو۔ اور اب جو میں تمہارے ساتھ جاؤں گا تو ساتھ ہی لندھور کو تحفے کے طور پر پیش کروں گا۔ خداوند میرے علاوہ تمہیں بھی خوش ہو کر انعام دیں گے۔ بلکہ فرامُرز اور بختیارک بھی کچھ عطا کریں گے۔ وعدہ کرو، جو کچھ تمہیں ملے گا اُس کا آدھا مابدولت کی نذر کرو گے۔“

ابنِ ادنیٰ بولا ”اچھی بات ہے مرے باپ۔ یہ بھی کروں گا۔“

”نہیں ایسے نہیں۔ خوشی سے بولو۔“ عُمرو نے ڈانٹ بتائی۔ ”بُرا مُنہ بنایا تو باقی آدھا بھی مانگ لوں گا۔ فوراً ٹھیک ہو جاؤ۔ سُنا کہ نہیں؟“

”نہیں ٹھیک ہوں مائی باپ۔ ہی ہی ہی۔ بالکل بُرا مُنہ نہیں بناؤں گا۔ ہی ہی ہی۔ بولو۔ اب تو ٹھیک ہوں نا؟ ہی ہی ہی۔“

”ہاں۔ اب ایسے ہی رہنا۔“ عُمرو نے رُعب سے کہا ”اچھا۔ اب چلو۔“

”چلیئے مائی باپ۔ ہی ہی ہی۔“ ابنِ ادنیٰ نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

دونوں شیر پر سوار ہو گئے۔ ابنِ ادنیٰ نے میدان کی طرف مُنہ کر کے اُنگلی

سے ہوا میں ایک محراب جیسی شکل بنائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے فضا میں مچھّروں، بھنگوں اور مکھیوں کے جھنڈ اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔ سارے سانپ بچھو اور چیونٹے بھی بے حس و حرکت ہو گئے۔ ساتھ ہی فرش سے لے کر اوپر تک ایک لمبی محرابی سرنگ سی بن گئی جس کے اوپر اور دائیں بائیں چاروں طرف بے شمار مچھّر مکھی اور بھُنگے لٹکے ہوئے تھے۔ ارد گرد کی زمین سانپوں بچھوؤں اور چیونٹوں سے پُر تھی مگر اُن کا راستہ ہر طرح صاف تھا۔ دونوں اس راستے پر تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔

میدان کے خاتمے پر عُمرو کو راستے کے دائیں بائیں دو اُونچے ٹیلے سے دکھائی دیئے۔ اس کے آگے دھوئیں اور گرد و غُبار کی ایک موٹی سی دیوار زمین سے آسمان تک کھڑی تھی۔ عُمرو کے اشارے پر ابنِ ادنیٰ نے یہاں شیروں کو روک لیا۔ عُمرو غور سے دائیں بائیں کے ٹیلوں کو دیکھنے لگا۔ ان میں سے ایک پتھر کی بڑی چٹان تھی۔ دوسرا گندگی کا ایک اُونچا ڈھیر تھا۔ چٹان کے اوپر ایک ہٹّا کٹّا مرد دکھائی دے رہا تھا۔ چہرہ داڑھی مُونچھوں سے بالکل صاف اور

بدن پر صرف ایک لنگوٹی بندھی ہوئی۔ وہ مُنہ پھاڑ کر قہقہہ لگاتا اور ایک چمکتا ہوا سِکّہ مُنہ میں ڈال کر نِگل جاتا۔ پھر میدان کی طرف مُنہ کر کے زور زور سے گالیاں بکتا۔ جوش میں آکر "ہوں" کہہ کر بیٹھک لگاتا اور پھر دونوں ہاتھوں سے کوئی چیز غصّے سے چٹان کے نیچے میدان کی طرف پھینکنے لگتا۔ گندگی کے ڈھیر کے اوپر نظر آنے والی ایک بوڑھی عورت تھی۔ ایسی گوری جیسے میدے کی بنی ہو۔ اُس کی آنکھوں پر کولھو کے بیل کی طرح کی اندھیری چڑھی ہوئی تھی۔ اُس کی حرکتیں بھی بالکل چٹان والے مرد جیسی تھیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ چٹان والے مرد کی پھینکی ہوئی چیز زمین پر ِگر کر پھیل جاتی تھی اور اُس بُڑھی میم کی پھینکی ہوئی چیز ہوا میں اُڑنے لگتی تھی۔

فضا صاف نہ ہونے کی وجہ سے غور کرنے پر بھی عُمرو یہ نہ معلوم کر سکا کہ دونوں کیا چیزیں اُچھال رہے ہیں۔ آخر اُس نے ابنِ ادنیٰ سے پُوچھا "یہ کون لوگ ہیں؟ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ دونوں میرے بنائے ہوئے اس میدان کے طِلسمی محافظ ہیں۔" ابنِ ادنیٰ

نے جواب دیا ”زرد یعنی پیلے خزانے کے چار سو اسّی طِلسمی سِکّے اِن کی روزانہ غذا ہے۔ اِن سکّوں کے سبب بُڈھی میم کے پیٹ سے زہریلے مچھّر مکھیاں اور پتنگے پیدا ہوتے ہیں۔ اور مرد کے پیٹ سے سانپ، بچھو اور چیونٹے۔ انہی کو وہ میدان کی طرف اُچھال رہے ہیں۔ یہ سب اتنے زہریلے ہیں کہ کوئی انسان یا جانور ان کے کاٹنے کے بعد پل بھر بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور یہ سب میدان میں اس طرح اٹے رہتے ہیں کہ اِن کے بیچ سے گُزرنا تو درکنار کوئی سامنے آ کے سانس بھی نہیں لے سکتا۔“

”گویا یہ دونوں عورت مرد طلِسمی پُتلے ہیں۔“ عُمرو نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ اوّل تو میدان سے گُزر کر کوئی اِن تک پہنچ نہیں سکتا۔ دوسرے اگر پہنچ جائے تو ہرگز انہیں ہلاک نہیں کر سکتا جب تک میں زندہ ہوں، انہیں طلِسمی سکّوں کی خوراک پہنچتی رہے گی اور یہ اپنا کام جاری رکھیں گے۔“

”بہُت خُوب۔“ عُمرو نے کہا ”اچھا۔ آگے چلو۔“

ابنِ ادنیٰ نے پھر پہلے کی طرح اُنگلی سے ہوا میں نشان بنایا۔ گرد و غبار کے

درمیان میں پھر پہلے جیسا صاف محرابی راستہ بن گیا۔ دونوں تیز رفتاری سے اس میں سے ہو کر آگے بڑھنے لگے۔ دائیں بائیں اور اوپر دیکھنے سے عُمرو کو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ایک جوش مارتے ہوئے نیلے سمندر کے نیچے سے گُزر رہے ہیں۔ اور ان کے اِرد گرد شفاف شیشے کی ایک سُرنگ سی بنی ہوئی ہے۔

جیسے ہی یہ راستہ ختم ہوا، دونوں پھر رُک گئے۔ عُمرو نے پلٹ کر دیکھا۔ سرنگ غائب تھی۔ دھوئیں اور گرد و غبار کی ایک موٹی دیوار کے علاوہ پیچھے کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ دائیں بائیں نگاہ اُٹھانے پر اُس نے پہلے کی طرح پھر اپنے آپ کو دو ٹیلوں کے درمیان پایا۔ سامنے ایک وسیع اور کُشادہ میدان تھا جس کے خاتمے پر ایک بہت لمبا چوڑا اور خاصا اُونچا ٹیلا تھا۔ ٹیلے کے گرد فصیل جیسی چار دیواری تھی۔ اور اس کے اندر سے اونچے درخت اور طلِسمی عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔ فاصلہ اب زیادہ نہ تھا مگر ان سب چیزوں کے صاف نظر نہ آنے کا سبب یہ تھا کہ پورے میدان میں آسمان سے تیروں، پتھروں اور آگ کے شعلوں کی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ صرف ٹیلوں کے

درمیان کی جگہ محفوظ تھی جہاں وہ اس وقت کھڑے ہوئے تھے۔ ٹیلوں کو غور سے دیکھنے سے عُمرو کو پتا چلا کہ ان دونوں پر بھی ایک ایک آدمی موجود ہے۔ دونوں نے چہرے داڑھی مُونچھوں سے صاف تھے مگر ایک قد کا چھوٹا اور سیاہ تھا۔ دوسرا گورا اونچے قد کا۔ سیاہ رنگت والے کی ناک پکوڑا جیسی تھی۔ گوری رنگت والے کی طوطے جیسی۔ گوری رنگت والا اُچھل کود کر کے اپنے سامنے والے میدان کی جانب دھوئیں کا فوّارہ چھوڑتا تھا۔ اور سیاہ رنگت والا باریک گرد اُڑایا کرتا تھا۔ گوری رنگت والا شخص دھواں چھوڑنے کے بعد وزیروں جیسا تاج سر پر رکھ کر ناچنے لگتا۔ سیاہ رنگت والا شخص گرد اُڑانے سے پہلے بھنگ پی کر بھنگ کا نعرہ لگا کے مشرق و مغرب کی سمت دونوں ہاتھ پھیلا دیا کرتا۔ ان دونوں کے تماشے دیکھ دیکھ کر عُمرو ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے ابنِ ادنیٰ سے پُوچھا:

"کیا یہ دونوں بھی طلِسمی پُتلے ہیں؟"

"ہاں" ابنِ ادنیٰ نے جواب دیا "ان کی غذا بھی وہی پیلے خزانے کے چار سو

اسّی طلِسمی سِکّے ہیں۔"

"آئیں! یہ پیلا خزانہ کیا ہوتا ہے؟ شاید اس سے پہلے بھی تُم نے اِس کا نام لیا تھا؟"

"جی ہاں۔" ابنِ ادنیٰ نے کہا "اس نام کا ایک سبب یہ ہے کہ اِس طلِسم کی حفاظت کے لیے جو خاص سِکّے بنائے گئے ہیں اُن کا رنگ پیلا ہے۔ دوسرے جِس عمارت میں اُنہیں محفوظ رکھا گیا ہے اُس کا رنگ بھی پیلا ہے۔ جب تک یہ خزانہ قائم ہے یہ طلِسم بھی قائم رہے گا۔ اور جب تک یہ طلِسم قائم رہے گا خُداوندِ لقا کا جلال بھی قائم رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" عُمرو نے کہا "مگر تُم نے اِن پُتلوں کے نام نہیں رکھے؟ کم از کم اِن دونوں کے نام ضرور کچھ نہ کچھ ہونے چاہئیں۔ مجھے اِن کا تماشا بُہت اچھا لگا ہے۔"

"ہر پُتلے کا ایک نام ہے۔ آپ نے پہلے جو پُتلے دیکھے ہیں ان میں سانپ بچھو اور چیونٹے پیدا کرنے والے کا نام شورکاش ہے۔ اور مکھیاں، مچھر اور بھُنگے پیدا

کرنے والی سفید بڑھیا کا نام اقریش ہے۔ یہاں جو پُتلا آپ کو دھواں چھوڑتا دکھائی دیتا ہے اُس کا نام میں نے نوز شیرل رکھا ہے۔ اور یہ جو دُھول اُڑاتا نظر آرہا ہے، اس کا نام عمراش ہے۔"

"بھئی واہ کیا کہنے۔" عُمرو نے ہنستے ہوئے کہا "اچھے نام رکھے ہیں مگر کیا اِن ناموں کے کچھ معنی بھی ہیں؟"

"جی ہاں۔ ہر نام با معنی ہے۔ طلِسمی زبان کے لحاظ سے ہر پُتلے کا نام اُس کے کام کے مطابق ہے۔ کہیے کیا آگے چلوں؟"

"ہاں بھائی۔ اب یہیں تھوڑے رہیں گے۔" عُمرو نے میدان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مگر آگ پتھّر اور تیروں کی بوچھار میں سے کیسے گُزرو گے؟"

"آپ آیئے تو۔" ابنِ ادنیٰ نے اپنا شیر آگے بڑھایا اور اُنگلی اُٹھا کر پہلے کی طرح ہوا میں محراب سی بنائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان میں پھر پہلے جیسا ایک صاف محرابی راستہ بن گیا۔ دونوں بے دھڑک اس راستے پر آگے بڑھنے

لگے۔ عُمرو نے پھر اپنے آپ کو ایک شفاف سرنگ کے اندر سے گزرتا ہُوا محسُوس کرنے لگا جس کے اُوپر اور دائیں بائیں آگ پتھّر اور تیر لٹکے دکھائی دے رہے تھے۔

"کیا یہ چیزیں اس میدان میں آسمان سے برستی ہیں؟" عُمرو نے پُوچھا۔

"یہ آپ کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔" ابنِ ادنیٰ نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں دونوں طلِسم کے پھاٹک کے سامنے پہنچ گئے۔ یہ جگہ محفوظ تھی۔ ابنِ ادنیٰ نے اپنے شیر کو روکتے ہوئے کہا "پھاٹک کے اُوپر دیکھئے۔"

عُمرو نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا۔ پھاٹک کے اُوپری فصیل پر تین آدمی نظر آئے۔ تینوں ایک دوسرے سے ایک جیسے فاصلے پر فصیل سے لگے بیٹھے تھے۔ جو شخص بیچ میں تھا، اُس کا چہرہ لمبوترا اور ڈاڑھی مونچھوں سے صاف تھا۔ بدن چھریرا تھا اور سر پر ایک اُونچی گول ٹوپی جمائے تھا۔ اس کے ایک جانب ایک بہت بڑی چلّم والا حقّہ رکھا تھا۔ وہ ایک طلِسمی سِکّہ مُنہ میں ڈال کر قوّالوں کی طرح ایک ہاتھ کان پر رکھتا، دوسرا آگے پھیلاتا۔ کبھی دائیں جانب بیٹھے

ہوئے شخص کی طرف مُنہ کر کے کچھ کہتا، کبھی بائیں جانب والے کی طرف اور پھر حُقّے کا ایک زور دار کش لگاتا۔ فوراً ہی چلم بھڑکتی۔ اس میں سے کچھ چنگاریاں اُڑ کر آسمان کی طرف جاتیں اور دم کے دم میں سیکڑوں ہزاروں شعلوں میں تبدیل ہو کر میدان میں برسنے لگتیں۔

اس شخص کے دائیں بائیں جو دو آدمی بیٹھے تھے۔ وہ ایک جیسے لمبے چوڑے اور پھُولے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے بھی بھرے ہوئے اور ایک جیسے گول تھے۔ ڈاڑھیاں بھی اُن کی سفید گھنی اور ایک جیسی پھیلی ہوئیں تھیں۔ دونوں میں فرق تھا تو صرف اتنا کہ ایک کی ناک زیادہ موٹی اور گردن چھوٹی تھی، دوسرے کی اس سے کچھ بہتر۔ دونوں طِلسمی سِکّے چبا کر مُنہ پھُلا کر، زور لگاتے۔ پھر کوتاہ گردن اور موٹی ناک والا نیچے سے ایک تیر نکال کر آسمان کی طرف اُچھالتا آن واحد میں صدہا تیر آسمان سے میدان میں برسنے لگتے۔ دوسرا شخص تیر کے بجائے کچھ کنکریاں نکالتا اور اُنہیں آسمان کی جانب اُچھال دیتا۔ یہ کنکریاں بڑے بڑے پتھّروں کی شکل میں تبدیل ہو کر سارے

میدان کو سنگسار کرنے لگتیں۔

عُمرو اِن تینوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ ابنِ ادنیٰ نے کہا "یہ بھی میرے بنائے ہوئے طلِسمی پُتلے ہیں۔ بیچ والے کا نام تونخ ہے۔ کوتاہ گردن والا نوماگ ہے۔ اور تیسرے کا نام شامول ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں، پیلے خزانے کے طلِسمی سِکّے موجود ہیں، یہ اپنا کام اِسی طرح جاری رکھیں گے۔ دنیا کا کوئی بھی جان دار فصیل کے قریب نہ آسکے گا۔"

"لیکن ہم تُم تو آ گئے ہیں۔ کیا کوئی دوسرا شخص، جو بڑا جادُوگر ہو یا اُسے غیبی طاقت حاصل ہو، اسی طرح راستہ بنا کر یہاں تک نہیں پہنچ سکتا؟" عُمرو نے سوال کیا۔

"ناممکن ہے۔"

"فرض کرو کوئی یہاں تک پہنچ جائے تو؟"

"تو وہ کسی طرح بھی فصیل کے اندر نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی فصیل میں نقب لگانا چاہے گا تو دیوار موٹی ہوتی چلی جائے گی۔ اور اگر اوپر چڑھنا چاہے گا تو

فصیل اونچی ہوتی چلی جائے گی۔"

"پھر تو واقعی امیر حمزہ اس کے اندر نہیں پہنچ سکتے۔" عُمرو نے اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"آپ بے فکر رہیے۔ حمزہ کے فرشتے بھی اندر پہنچنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اچھا آئے چلیں۔" یہ کہہ کر ابنِ ادنیٰ نے اپنے شیر کو آگے بڑھایا۔ عُمرو اس کے پیچھے ہو لیا۔ پھاٹک پر پہنچ کر ابنِ ادنیٰ نے سامنے کے رُخ انگلی سے ہوا میں پھر محراب سی بنائی۔ فوراً ہی اس میں راستہ پیدا ہو گیا۔

"یہ پھاٹک خالص طلِسمی فولاد کا بنا ہوا ہے۔ نہ اِسے جلایا جا سکتا ہے نہ توڑا جا سکتا ہے۔ اور میرے سوا کوئی دوسرا اسے کھول بھی نہیں سکتا۔" ابنِ ادنیٰ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ عُمرو کی نگاہیں پھاٹک کے سامنے والے میدان پر جم کر رہ گئیں۔ جنگ جُو سواروں کے چار لشکر حملہ کرنے کے لیے تیّار کھڑے تھے۔

تعجّب کی بات یہ تھی کہ چاروں لشکروں کے سوار اور گھوڑے ایک ہی سانچے

میں ڈھلے معلوم دیتے تھے۔ ایک لشکر کے گھوڑوں اور سواروں کا رنگ نیلا تھا۔ دوسرے کا ہرا۔ تیسرے کا سفید اور چوتھے کا پیلا۔ ہر سوار کے ہاتھوں میں دو تلواریں تھیں۔ اس کے علاوہ نہ ان کے پاس کوئی دوسرا ہتھیار نظر آتا تھا نہ کوئی لباس۔ زیادہ تعجّب کی بات یہ تھی کہ سواروں کی ٹانگیں بالکل غائب تھیں۔ وہ گھوڑوں پر جڑے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ پھر نہ ان کے سروں پر بال تھے نہ گھوڑوں کی گردنوں پر ایّال۔ ان کے چہروں پر آنکھیں بھی نہیں تھیں۔ ان سب باتوں کے باوجود وہ اس طرح تُلے کھڑے تھے جیسے حملہ کرنے کے لیے بس آخری اشارے کے مُنتظر ہوں۔

"کیا ان سواروں اور گھوڑوں پر حفاظت کے خیال سے کوئی طِلسمی غلاف چڑھا دیا گیا ہے؟" عُمرو نے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ سب طِلسمی پُتلے ہیں میرے نائب جادُوگروں کے بنائے ہوئے۔ ان پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کر سکتا۔ لاکھوں کی فوج کو دم کے دم میں ہلاک کر سکتے ہیں۔ البتہ طِلسم کی حد کے باہر کام نہیں آسکتے۔"

ابنِ ادنیٰ کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ چاروں لشکروں کے بیچ سے ایک ایک آدمی پھاٹک کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ چاروں جادُوگروں جیسا رنگ برنگا اور ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے تھے۔ گردنوں میں ہڈیوں کی مالائیں تھیں، ہاتھوں میں نیزے تھے۔ مگر تین تو طلِسمی گھوڑوں پر سوار تھے اور چوتھا ایک تخت پر بیٹھا تھا جس کے نیچے دو طلِسمی گھوڑے جُتے ہوئے تھے۔ دوسرے تین سیدھے سیدھے چلے آرہے تھے مگر یہ شخص کبھی دائیں طرف کو مُنہ کرتا کبھی بائیں طرف کو۔ کبھی بیٹھتا کبھی کھڑا ہوتا اور کبھی لمبا لمبا لیٹ جاتا۔ عُمرو اس کا یہ تماشا دیکھ کر مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

اُن چاروں نے قریب آکر ابنِ ادنیٰ کو سلامی پیش کی۔ ابن ادنیٰ نے ان کی جانب اُنگلی اُٹھاتے ہوئے عُمرو سے کہا "وہ بھاری کلّے اور گہرے بدن والا پرا زمان ہے۔ اس کے بعد سُوکھے چہرے اور لمبے قد والا جو جادُوگر کھڑا ہے اس کا نام راؤمان ہے۔ تیسرے نمبر پر تکونے چہرے والا طُورمان ہے۔ اور وہ شخص جو کبھی اُٹھتا ہے، کبھی بیٹھتا ہے اور کبھی لیٹ جاتا ہے، اس کا نام اجگر

مان ہے۔"

"مجھے تو تمہارا یہ اجگر مان بڑے کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔" عُمرو نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"جناب، سبھی کام کے ہیں۔" ابنِ ادنیٰ نے جوش سے کہا۔

"شرط یہ ہے کہ خداوند لقا ان پر مہربان رہے۔ اور طِلسمی سواروں پر حکم چلانے کے لیے میں انہیں طِلسمی سکّوں کی چار سو اسّی تھیلیاں روز پہنچاتا رہوں۔"

"مگر یہ اجگر مان ایک جیسی حالت میں کیوں نہیں رہتا۔ کیا اس پر کسی پریشان روح کا سایہ پڑ گیا ہے۔" عُمرو بولا۔

"پریشان روح کے بارے میں تو میں نے کبھی نہیں سوچا پر جہاں تک میں جانتا ہوں اس کے تین سبب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی طُورمان سے لگتی ہے۔ طُورمان اس کی اِن حرکتوں سے چڑتا ہے۔ اور اسے چڑانے میں اجگر مان کو مزہ آتا ہے۔ دوسری وجہ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک جیسی حالت میں رہنے

سے آدمی کی مت ماری جاتی ہے۔ تیسرا سبب اس کی ان حرکات کا یہ ہے کہ کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ دائیں جانب مُنہ پھیرے، کچھ چاہتے ہیں کہ بائیں طرف دیکھے، کچھ کی خواہش ہے کہ وہ کھڑا رہے، کچھ کی مرضی ہے بیٹھ جائے، کچھ اسے لیٹا ہوا دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اور وہ ان سب کو خوش کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے"

"ارے! ہی ہی ہی" عُمرو نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "کہیں اس کے دماغ کی کوئی چُول تو ڈھیلی نہیں ہو گئی ہے؟ کیا یہاں کے لوگ اس کی ان حرکتوں سے واقعی خوش ہوتے ہیں؟"

"ہاں۔ ہوتے تو ہیں۔" ابنِ ادنیٰ نے جواب دیا "مگر کبھی ناراض بھی ہو جاتے ہیں۔"

"پھر وہ یہ حرکتیں کیوں کرتا ہے؟ کیا ایسے لوگوں کی ناراضگی کا پتا نہیں چلتا۔" عُمرو نے مُسکراتے ہوئے پُوچھا۔

"پتا کیوں نہیں چلتا۔" ابن ادنیٰ نے کہا "لیکن وہ جانتا ہے کہ لوگ اگر اس

سے خوش نہ رہیں تو کم از کم ناراض ضرور ہوتے رہیں۔"

"ہاہاہاہا۔" عُمرو نے قہقہہ لگایا اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"اور اگر لوگ خوش ہوں نہ ناراض، تو؟"

"تو۔" ابنِ ادنیٰ نے مُنہ بناتے ہوئے جواب دیا "بے چارہ بیمار ہو جائے گا۔"

عُمرو نے ایک اور قہقہہ لگایا اور ابنِ ادنیٰ کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ طِلسمی سواروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے دونوں لقا کے رنگ محل کی جانب چل دیئے۔ میدان کے دائیں بائیں اور سامنے خوبصورت باغات اور عمارتوں کا ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ان سب پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے عُمرو نے اندازہ کر لیا کہ لقا کا رنگ محل اب اُن سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ راستے میں ایک گول سی پُراسرار عمارت دیکھ کر اُس نے سر ہلایا۔ یہ پیلے رنگ کی ایک منزلہ عمارت بڑے اور چوکور پتھّروں کی بنی ہوئی تھی۔ اس کی چھت پر پتھّر کے تراشے ہوئے درجنوں اُلّو، باز اور شکرے دُم سے دُم ملائے، سر آگے کو جھکائے اور پَر پھیلائے بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔ نیچے عمارت کے اِرد گرد

چبّے چبّے پر چھوٹے بڑے جانوروں اور دیووں کے مجسمے لگے ہوئے تھے۔ اُن میں کُتّے بھی تھے بھیڑیے بھی، شیر بھی، اور ہاتھی بھی مجسموں کے درمیان کِسی جگہ بھی اتنا فاصلہ نہ تھا کہ آدمی سیدھا چل کر عمارت کے دروازے تک پہنچ سکتا۔

"کیا یہ مندر ہے؟" عُمرو نے ابنِ ادنیٰ سے پُوچھا۔

"نہیں۔" ابنِ ادنیٰ نے جواب دیا "یہ پیلا خزانہ اور میرا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس کے اوپر اور نیچے دکھائی دینے والے سارے مجسمے اس کے طِلسمی محافظ ہیں۔ میرے اور خداوند لقا کے علاوہ نہ کوئی جان دار اِس عمارت کے اندر جا سکتا ہے نہ کوئی پُتلا۔ نہ زمین کی جانب سے اِسے کوئی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے نہ آسمان کی سمت سے۔ خطرہ نظر آتے ہی مجسمے حرکت میں آ جاتے ہیں۔ اور دشمن یا اس کے ہتھیار کو عمارت کے قریب پہنچنے سے پہلے فنا کر دیتے ہیں۔"

"کیا واپسی میں تم مجھے اس عمارت کے اندر لے چلو گے؟" عُمرو نے سوال کیا۔

"یہ ممکن نہیں۔" ابنِ ادنیٰ نے کہا "محافظ مجھے صرف میرے اور خُداوند لقا

کے گوشت، خون اور ہڈیوں کی بو سے مانوس ہیں۔ چاہے کوئی ہمارے ساتھ ہو، چاہے ہمارا بھیس بنا کر آئے۔ یہ مجسمے ہرگز اسے اپنے درمیان سے نہ گزرنے دیں گے۔ میں نے اُنہیں بتایا ہی اس ترکیب سے ہے۔"

"فرض کرو۔" عُمرو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "کوئی دشمن فصیل کے اندر آ جائے، میدان کے طِلسمی پُتلوں کو برباد کرنے میں کامیاب ہو جائے تو کیا وہ تمھیں اور تمہاری اس عمارت کو اسی حالت میں چھوڑ کر سیدھا رنگ محل کا رُخ نہیں کر سکتا؟ یہاں خواہ مخواہ اُلجھنے کی اُسے کیا ضرورت ہے؟"

ابنِ ادنیٰ نے غور سے عُمرو کے چہرہ کو دیکھا اور پھر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "یہ ایک اہم طِلسمی راز ہے۔ تم پر مجھے اعتبار ہے اس لیے بتائے دیتا ہوں۔ شاید تُم امیر حمزہ کے ڈر سے یہ بات پوچھ رہے ہو۔ سنو! جب تک یہ عمارت قائم ہے، اس میں طِلسمی مجسمے موجود ہیں۔ اور میں زندہ ہوں، میدان کے طِلسمی پُتلوں کو فنا کر کے بھی کوئی رنگ محل کی طرف ایک انچ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ فوری طور پر تو یہ پتھر کے مجسمے اسے روکے رہیں گے۔ پر اس کے

بعد میں لاتعداد طلسمی رُکاوٹیں اس کے سامنے کھڑی کرتا رہوں گا۔ مجھے اور اس طلسمی عمارت کو ختم کیے بغیر ہی کوئی دشمن رنگ محل کی جانب قدم اُٹھا سکتا ہے۔ اور یہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ حضرت علی کی تلوار کے سوا مجھے کوئی ہتھیار مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہاں، اتنا اور سُن لو، اگر کوئی شخص یہ تلوار لے کر فصیل کے اندر داخل ہوا تو فوراً مجھے اس کا علم ہو جائے گا اور میں خود کو اس عمارت میں محفوظ کر لوں گا۔ محافظ مجسمے اس کے ہاتھ سے بے شک ٹکڑے ٹکڑے ہوتے رہیں گے، مگر ہر گز اسے مجھ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ اس طلسمی عمارت کے باہر یا عمارت کے اندر پہنچ کر ہی وہ مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔ لیکن تم اِن باتوں کی فکر نہ کرو۔ حیدرِ کرار کی تلوار ابھی تک پردۂ غیب میں ہے۔“

عُمرو یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ اتنے میں چلتے چلتے وہ ایک بہت بڑے باغ کی چار دیواری کے پھاٹک پر جا پہنچے۔ ابنِ ادنیٰ کے دستک دینے پر پھاٹک کھُل گیا۔ دونوں پھر تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ رنگ محل اب صاف دکھائی

دے رہا تھا۔ لیکن پھاٹک سے لے کر محل کی چار دیواری تک ہر جگہ ہتھیار بند سوار اور پیارے پہرہ دے رہے تھے۔ وہ بڑے ہیبت ناک اور چاق و چوبند دکھائی دیتے تھے۔ ابنِ ادنیٰ کی جس پر نگاہ پڑتی وہ اور بھی سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا۔

"یہ کون ہیں؟" عُمرو نے ابنِ ادنیٰ سے سوال کیا۔

"یہ خداوند نے باڈی گارڈ ہیں۔" ابنِ ادنیٰ نے جواب دیا۔ "ان میں سے ہر ایک بہادر تنہا ہزاروں کے لشکر کو مار بھگانے کے لیے کافی ہے۔ روئے زمین پر اِن جیسا لڑاکا اور بہادر اور کہیں نہ ہو گا۔"

"اور اس باغ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" پکّے پھلوں سے لدے ہوئے درختوں پر نگاہ دوڑاتے ہوئے عُمرو نے کہا۔

"یہ دنیا کا سب سے نرالا باغ ہے۔" ابنِ ادنیٰ نے فخر سے کہا "زمین کے ہر حصّے میں پیدا ہونے والے بہترین پھلوں کے درخت یہاں موجود ہیں۔ کسی درخت سے خواہ کتنے ہی پھل توڑے جائیں، کم نہیں ہوتے۔ ہر درخت

پورے سال ہر موسم میں پھلتا پھولتا رہتا ہے۔ خوشبو اور ذائقے میں یہاں کے پھل اپنا جواب آپ ہیں۔ جو پھل بھی کھاؤ گے، زندگی بھر ویسا کہیں اور نہ پاؤ گے۔"

باغ کی ٹھنڈی چھاؤں اور فرحت بخش ہواؤں نے ویسے ہی عُمرو کی صحت پر خاصا اثر کیا تھا۔ پھلوں کی یہ تعریف سُن کر اُسے اور بھی بھُوک لگنے لگی۔ اس کے جی میں آئی کہ چلتے چلتے جھپٹا مار کے کچھ آم، امرود یا سیب توڑے۔ شاید وہ ایسا کر بھی گزرتا مگر اب محل کا پھاٹک سامنے آ گیا تھا۔ تیر انداز اور نیزہ بردار محافظ انہیں گھور رہے تھے۔ لاچار دل مسوس کر رہ گیا۔

پھاٹک کے قریب پہنچ کر دونوں رُک گئے۔ چند قدم کے فاصلے پر محل کے محافظوں کا ایک دستہ راستہ روکے کھڑا تھا۔ ان کے رُکتے ہی نیزہ برداروں نے اُن پر نیزے تان لیے۔ اور تیر اندازوں نے کمانوں میں تیر چڑھا کر نشست باندھ لی۔ عُمرو کے چہرے پر بے چینی کی لہر دوڑ گئی مگر ابنِ ادنیٰ پر ان باتوں کا کچھ اثر نہ تھا۔ وہ بڑی لاپرواہی سے شیر سے اُتر کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔ عُمرو نے

اُس کی طرف دیکھا تو اُسے بھی اس نے شیر سے اُترنے کا اشارہ کیا۔ پھر اپنے دونوں شیروں کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی ہدایت دی۔ شیر اُلٹے قدموں پیچھے ہٹے اور راستے کے کنارے بیٹھ کر ایک دوسرے کے سامنے مُنہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ ابنِ ادنیٰ کو یوں بے فکر دیکھ کر عُمرو کی بھی کچھ ڈھارس بندھی۔ دل کا خوف دُور کرنے کے لیے اس نے اپنی نگاہیں اُس پتلی سی نالی پر جما دیں جو اُن سے چار پانچ قدم کے فاصلے پر راستے کے بیچوں بیچ بنی ہوئی تھی۔ پہلی ہی نظر میں یہ نالی اُسے پُراسرار معلوم ہوئی۔ بظاہر اس میں صاف پانی کھڑا نظر آتا تھا مگر رہ رہ کر اس میں سے نیلی اور ہری روشنی چمک رہی تھی۔ نالی کے دوسری جانب چند قدم کے فاصلے پر محل کے درجنوں محافظ اُنہیں اپنے تیروں اور نیزوں کا نشانہ بنانے کے لیے تُلے کھڑے تھے۔

ابنِ ادنیٰ نے عُمرو کی گھبراہٹ محسوس کی تو اُسے تسلّی دیتے ہوئے بولا "کسی بھی بات پر حیران یا پریشان نہ ہونا۔ بے فکری سے میرے پیچھے چلے آنا۔ یہاں سے خداوند کی بارگاہ تک ہم پیدل ہی جائیں گے۔"

اتنا کہہ کر اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ قدم آگے بڑھایا۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ عُمرو بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس کی نگاہیں پر اسرار نالی پر جمی رہیں لیکن وہ تھی ہی کتنی دُور۔ پانچویں قدم پر ابنِ ادنیٰ اس کے پار تھا اور ساتویں قدم پر عُمرو۔۔ آٹھواں قدم اُٹھاتے ہوئے عُمرو ابھی یہ طے نہ کر پایا تھا کہ دل کا خوف چھپانے کے لیے نالی کے بعد وہ کس چیز پر اپنی نگاہیں جمائے کہ اچانک سامنے کے محافظوں کے دستے میں اُسے ہلچل سی محسوس ہوئی۔ وہ کانپ اُٹھا۔ بجلی کی سی تیزی سے اس کے دل میں خیال آیا کہ ابنِ ادنیٰ نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ تیروں اور نیزوں کی بوچھاڑ شروع ہو چکی ہے۔ عیّاری کی چادر اُوڑھ کر مجھے اپنی جان بچانی چاہیے۔ اس نے فوراً زنبیل میں ہاتھ ڈال کر چادری ٹٹولی۔ اسی لمحے اس کی نگاہ سامنے کی طرف اُٹھ گئی اور وہ کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

معاملہ بالکل مختلف تھا۔ کمانوں میں کھنچے ہوئے تیر ترکشوں میں واپس رکھے جا چکے تھے۔ تنے ہوئے نیزے جھُک چکے تھے۔ حملے کے لیے آمادہ نظر آنے

والے محافظ سپاہی دوست دکھائی دے رہے تھے۔ ان کا جو جتھا راستہ روکے کھڑا تھا، بیچ سے ہٹ کر دائیں بائیں کھسک گیا تھا۔ اور ابنِ ادنیٰ۔۔۔۔۔

”ارے یہ کیا؟ ابن ادنیٰ کہاں غائب ہو گیا؟ یہ شخص جو اس کی جگہ میرے آگے چل رہا ہے کون ہے اور اچانک کدھر سے آن نکلا۔“ عُمرو نے اپنے آگے چلنے والے شخص پر نگاہیں جماتے ہوئے سوچا۔

آگے چلنے والا شخص کسی طرح بھی ابنِ ادنیٰ نہیں لگ رہا تھا مگر پتلی سی نالی کے علاوہ اُن کے راستے میں کہیں کوئی اوٹ نہ تھی نہ دراڑ کہ جس میں ابنِ ادنیٰ چھُپ کہا ہو اور وہاں سے دوسرا شخص نکل آیا ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ عُمرو ابنِ ادنیٰ کے پیچھے چلتے ہوئے نگاہیں نیچی کیے ہوئے تھا مگر اس کے اٹھتے قدم اُسے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ابنِ ادنیٰ کسی جگہ غائب ہوتا اور دوسرا شخص اس کی جگہ آجاتا تو کچھ نہ کچھ تبدیلی عُمرو ضُرور محسوس کرتا مگر عُمرو کو کوئی تبدیلی محسوس نہ ہوئی تھی۔

”کہیں یہ میرا وہم تو نہیں۔ میری آنکھیں کہیں دھوکا تو نہیں کھا رہیں؟“ عُمرو

نے اپنی آنکھیں مل کے پھر غور سے اپنے آگے چلنے والے شخص کو دیکھا۔ نہیں یہ شخص اسے ابنِ ادنیٰ سے مختلف دکھائی دیتا تھا۔

ابنِ ادنیٰ سفید رنگ کا پائجامہ، لمبا کرتا اور سفید پگڑی باندھے ہوئے تھا۔ اس کے پاؤں میں لکڑی کی کھڑاؤں تھی۔ لیکن یہ شخص کامدار مخملی جوتے، ریشمی گیر دار شلوار، ریشمی جُبّہ اور اُونچی سی ٹوپی پہنتے تھے۔ ابنِ ادنیٰ دُبلا پتلا تھا مگر یہ شخص پیچھے سے موٹا تازہ دیو نظر آرہا تھا۔

عُمرو کی چال دھیمی پڑ گئی۔ آگے چلنے والے شخص کو اس کا احساس ہوا تو ایک جگہ مُڑ کر اُس نے عُمرو کو رفتار بڑھانے کا اشارہ کیا۔ عُمرو نے دیکھا کہ ابنِ ادنیٰ کے سوکھے پتلے مگر نورانی ڈاڑھی والے چہرے کے بجائے ایک گول بھرا ہوا موٹی ناک اور خطرناک آنکھوں والا چہرہ اُس سے مخاطب ہے۔ ڈاڑھی اُس پر بھی تھی مگر نورانی کے بجائے ڈراؤنی۔

عمرو لپکتا ہُوا اس کے پاس جا پہنچا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا:

"ٹھہرو تُم کون ہو؟ ابنِ ادنیٰ کہاں غائب ہو گیا؟"

”ابنِ ادنیٰ سے تمہیں کیا کام ہے؟ میرے ساتھ چلتے رہو۔ جہاں جانا ہے پہنچا دوں گا۔“ اس شخص نے جواب دیا۔

عُمرو کو غُصّہ آ گیا۔ اس نے کہا ”دیکھو جی، میں تمہارا قیدی نہیں مہمان ہوں۔ تمیز سے بات کرو۔ میرے سوالوں کا جواب نہ دیا تو ایک قدم آگے نہ جاؤں گا۔ کوئی ایرا غیرا نہیں کہ تم سے دھونس کھا جاؤں۔ ہمارے جیسے تین سو ساتھ بھُتنوں کی دُم میں کھٹکھٹا بان چکا ہوں۔ سمجھ گئے؟“

”ارے واہ عُمرو بھائی۔“ وہ شخص ہنس کر بولا ”تم تو مذاق میں بُرا مان گئے۔ حد کر دی۔ اتنے بڑے عیّار ہو کر بھی مجھے نہ پہچان سکے۔“

عُمرو نے غور کیا تو اُس کی آواز بالکل ابنِ ادنیٰ جیسی معلوم ہوئی۔ اس نے کہا ”ارے! تو کیا تُم ابنِ ادنیٰ ہو؟“

”ہاں! خُداوند لقا کی قسم۔“

”مگر یہ دیکھتے ہی دیکھتے تمہاری شکل اور حلیہ کیسے بدل گیا؟“ عُمرو نے سوال کیا۔

”یہ سب اس طِلِسمی نالی کا کرشمہ ہے جسے پھاٹک کے سامنے ہم دونوں نے پار کیا ہے۔“ ابنِ ادنیٰ نے جواب دیا۔

”کیا مطلب ؟“ عُمرو نے پُوچھا۔

”مطلب یہ کہ پہلے میں ایک نورانی بزرگ کے نقلی بھیس میں تھا۔ اب اصلی روپ میں ہوں۔ طِلِسمی نالی کا کرشمہ ہے کہ جو شخص بھی اُسے پار کرتا ہے، اس کا سارا بہروپ اُتر جاتا ہے۔ اس طرح خداوند کا کوئی دشمن خواہ کسی بھی بہروپ میں محل کے اندر داخل ہونا چاہے، پہرے داروں کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ جن لوگوں کو محل میں داخلے کی اجازت ہوتی ہے پہرے دار اُنہیں اصلی روپ میں پہچان لیتے ہیں۔ ان کے سوا کوئی اور اندر آنے کی کوشش کرے تو اُسے تیروں اور نیزوں سے چھلنی کر دیا جاتا ہے۔“

لقا کے دربار میں

طِلسم کے اندرونی انتظام دیکھ کر عُمرو عش عش کر اُٹھا۔ اس کا دل گواہی دینے لگا کہ بلاشبہ یہ طِلسم فتح نہیں ہو سکتا۔ امیر حمزہ کے لیے یہ لوہے کا نہیں، فولاد کا چنا ثابت ہو گا۔

اور عُمرو کا یہ خیال غلط بھی نہ تھا۔ اوّل تو امیر حمزہ کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ حضرت علی کی تلوار کے بغیر اُن کا طِلسم کی جانب رُخ کرنا مصیبت کو گلے میں ڈالنا ہو گا۔ دوسرے وہ اس بات سے باخبر بھی ہو جاتے تو بھی قدم قدم پر اُنہیں سخت مُشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ مثال کے طور پر پہلا اہم مرحلہ طِلسم کی فصیل تک پہنچنے کا تھا۔ اس کے لئے اُنہیں زہریلے کیڑے مکوڑوں سے بھرے ہوئے میدان کو پار کرنا ہوتا۔ گرد دھوئیں کی وادی سے گُزرنا پڑتا۔

اور آخر میں آگ اور پتھّروں کی برسات والے خطّے کو عُبور کرنا ہوتا۔

دُوسرا اہم مرحلہ اُن کے لیے فصیل کے اندر داخل ہونے کا تھا۔ اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ نہ وہ فصیل میں نقب لگا سکتے تھے، نہ اُسے چڑھ کر پار کر سکتے تھے۔ اور نہ اُس کا دروازہ توڑ سکتے تھے۔

تیسرا خطرناک مرحلہ فصیل کے اندر پہنچنے کے بعد ابنِ ادنیٰ کو ہلاک کرنے کا تھا۔ اور ابنِ ادنیٰ کے پیلے خزانے کی عمارت میں جا چھُپنے کی صورت میں اُن کا طِلسمی رُکاوٹوں ہی میں اُلجھ کر رہ جانا یقینی تھا۔

چوتھا اور آخری مرحلہ لقا کے خوف ناک باڈی گارڈ سے نپٹنے کا تھا۔ اوّل تو ابنِ ادنیٰ کو ختم کیے بغیر امیر حمزہ ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ دوسرے اگر وہ کسی طرح اس میں کامیاب بھی ہو جاتے تو بھی یہ بات ناممکن تھی کہ وہ تنہا اُن زبردست سورماؤں کو دم کے دم میں ختم کر دیتے یا راستے سے ہٹا کر لقا تک جا پہنچتے۔ ابنِ ادنیٰ کے قتل ہوتے ہی لقا ان میں سے کچھ کو امیر کا راستہ روکنے کے لیے چھوڑ کر اور باقی کو اپنے ساتھ لے کر آسانی سے فرار ہو سکتا تھا۔

بے شک عُمرو طلِسم کے سارے اہم راز معلوم کر چُکا تھا۔ اپنی آنکھوں سے اندر کا سارا حال دیکھ چکا تھا۔ ابنِ ادنیٰ کو اپنا ناز بردار بنا چکا تھا، لقا کا بھروسا حاصل کر چکا تھا ان باتوں کی وجہ سے وہ امیر حمزہ کی بھرپور مدد کر سکتا تھا مگر وہ تو امیر حمزہ سے ناراض تھا۔ لقا کی وفاداری اور خیر خواہی کا بھرم بھر رہا تھا۔ طلِسم کی دُنیا میں رہ کر عیش و آرام کے دن گُزارنے کی سوچ رہا تھا۔

محل کی چہل پہل دیکھ کر عُمرو کو اندازہ ہو گیا کہ لقا اس وقت دربار میں بیٹھا ہے اور اس کے سارے امیر، وزیر اور سپہ سالار اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ برآمدے میں پہنچنے کے بعد عُمرو کے قدم سُست پڑ گئے اور کسی سوچ میں گُم ہو گیا۔

ابنِ ادنیٰ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو بازو پکڑ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ عُمرو اپنی فکر میں کچھ اتنا کھویا ہوا تھا کہ اسے اس بات کا احساس ہی نہ ہوا۔ چند لمحے بعد اچانک اسے اپنا بازو کسی فولادی شکنجے میں جکڑا ہوا محسوس ہوا تو اس نے ناگواری کے ساتھ اپنے بازو کو جھٹکا دیا۔ ابنِ ادنیٰ نے مُٹھّی ڈھیلی کر دی۔

"اچھا! تو یہ تُم تھے۔" عُمرو نے رُک کر ابنِ ادنیٰ کو گھُورتے ہوئے کہا "اصلی روپ میں آنے کے بعد شاید تمہاری طاقت میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔"

"کیوں؟ کیا درد ہو رہا ہے؟" ابنِ ادنیٰ بولا "میں نے تو بہت آہستہ سے ہاتھ رکھا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے عُمرو کا بازو چھوڑ دیا۔ عُمرو گرج کر بولا:

"خبردار! مجھ پر رُعب جمانے کی کوشش نہ کرنا۔ تُم جیسے شہ زوروں سے نپٹنا مجھے خوب آتا ہے۔ آخر کیا سمجھ کر تم نے میرا بازو پکڑا تھا۔ کیا خداوند کو تم یہ دِکھانا چاہتے ہو کہ مجھے پکڑ کر لائے ہو؟ بس میرا تمہارا معاہدہ ختم۔ اب نہ خداوند سے یہ کہوں گا کہ تمہارے سمجھانے بُجھانے سے یہاں آیا ہوں، نہ یہ کہوں گا کہ تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔ دفع ہو جاؤ۔ مجھے جانا ہے تو اکیلا چلا جاؤں گا۔"

دربار کے قریب پہنچ کر عُمرو نے جو یہ تڑی دی تو ابنِ ادنیٰ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ایک دم گھگھیا کر کہنے لگا:

"عُمرو بھائی، خداوند کی قسم آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے طاقت دکھانے

کے لیے نہیں، آپ کے برابر چلنے کے لیے آپ کا بازو پکڑا تھا۔ آپ سوچ میں چلتے چلتے پیچھے رہ جاتے تھے اور یہ بات میرے ادب اور آپ کے شان کے خلاف تھی۔ میں وعدہ کرتا ہوں آیندہ کبھی ہاتھ نہ لگاؤں گا۔"

"بس اب آ گئے اپنی اوقات پر۔" عُمرو نے کہا۔ "چلو اس بار معاف کرتا ہوں مگر دیکھو، اپنے انعام کا آدھا حصّہ دینے میں ذرا بھی آنا کانی کی تو سمجھ لینا قیامت تک نہیں بخشوں گا۔ بولو، کیا کہتے ہو؟"

"خداوند کی قسم عُمرو بھائی۔۔۔ آپ کا مطالبہ بہت سخت ہے۔" ابنِ ادنیٰ نے کہا "مگر میں پورا کروں گا۔ آپ کو ہرگز ناراض نہیں کروں گا۔ اطمینان رکھیے۔ ویسے اپنی مہربانی سے اگر آپ نے مجھے چوتھائی حصّہ معاف کر دیا تو یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔"

"ہوں" عُمرو نے کہا "اب میں تم سے پورا تین چوتھائی حصّہ لوں گا۔ ایک رتّی کم نہ کروں گا۔ سو دفعہ غرض پڑے تو مانو ورنہ اپنا راستہ لو میں جانوں اور خُداوند۔ تُمھارا سارا پول کھول کے رکھ دوں گا۔ سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو؟

خداوند کی وفاداری کا بھی دعوی کرتے ہو اور اسے دھوکا دینے پر بھی کمر بستہ رہتے ہو۔ لعنت ہو تمہاری اس جھُوٹی بندگی پر۔"

عُمرو کو ہتّھے سے اکھڑتے دیکھ کر ابنِ ادنیٰ کو اس کی مانتے ہی بنی۔ طِلسم کے باہر آدھے پر سودا طے ہوا تھا مگر اندر لالچ میں آ کر ایک چوتھائی سے اسے اور ہاتھ دھونے پڑ رہے تھے۔ اُسے ڈر ہوا کہ کہیں باقی چوتھائی بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ چنانچہ جوں توں عُمرو کو راضی کر کے اس نے آیندہ کے لیے خاموش رہنے کا فیصلہ کیا اور اس طرح ادب سے اس کے ساتھ چلنے لگا جیسے اُس کا غلام ہو۔

چند لمحے بعد وہ دربار کے دروازے پر تھے۔ جیسے ہی اُنہوں نے اندر قدم رکھا، سارے دربار کی نگاہیں عُمرو پر جم گئیں۔ ابنِ ادنیٰ کا چہرہ فخر سے تمتمانے لگا۔ عُمرو کو لانے کا سہرا اسی کے سر تھا۔ وزیر، امیر، سپہ سالار، سب آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ عُمرو کو دیکھ کر اُنہیں یقین نہ آتا کہ یہ دُبلا پیلا لمبا اور سوکھی شکل والا آدمی ہی عُمرو عیّار ہے جس کے کارناموں کی ساری دنیا میں

پُکار ہے۔ جو امیر حمزہ کا بچپن سے خیر خواہ اور مدد گار تھا اور جس کی آمد کا خداوند کو بے چینی سے انتظار تھا؟ مگر اس کے بعد جب اُن کی نگاہیں ابنِ ادنیٰ کے چہرے پر پڑتیں تو اس کا فخر دیکھ کر اُن کا دل کہہ اُٹھتا، ممکن ہے اس کے ساتھ نظر آنے والا یہی اُول جلُول سا آدمی عُمرو ہو۔ خداوند سے وہ اسی کو تو ساتھ لانے کا وعدہ کر کے گیا تھا۔

بختیارک اور فرامُرز عُمرو کو پہلی ہی نظر میں پہچان گئے۔ اُنہیں یقین ہو گیا کہ اب دیکھتے ہی دیکھتے حالات بدل جائیں گے۔ خداوند لقا کا اقبال بلند ہو گا۔ امیر حمزہ کے فولادی حوصلے پگھل جائیں گے۔

لقا خُوشی سے پھول گیا اپنے نو سو ننانوے (۹۹۹) طلِسمات کی بربادی کو بھُول گیا۔ جیسے ہی عُمرو نے اس کے قریب پہنچ کر اسے سجدہ کیا، لقا نے اپنا کروڑوں کی مالیت کا ہیروں کا ہار گلے سے اُتار کر اُسے عنایت کیا۔ جڑاؤ بازو بند اور انگوٹھیاں ابنِ ادنیٰ کو انعام میں ملیں۔ فرامُرز نے موتی اور بختیارک نے اشرفیاں عُمرو پر نچھاور کیں۔ اہلِ دربار مرحبا مرحبا پکار اٹھے۔

عُمرو نے ہیروں کا ہار زنبیل میں رکھا۔ اور للچائی ہوئی نگاہوں سے فرش پر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ نیچے ہر طرف اشرفیاں اور موتی بکھرے پڑے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا کہ یہ سب بھی وہ اپنی جھولی میں رکھ لے۔ اسی لمحے اس کی گاہ ابنِ ادنیٰ کی کھلی ہوئی تھیلی پر جا پڑی اور بازو بند انگوٹھیوں کے بڑے بڑے ہیرے اس کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کرنے لگے۔ اسے محسوس ہوا کہ ابنِ ادنیٰ ان کو اپنی انٹی میں رکھنے والا ہے۔ زمین پر بکھرے ہوئے ہیروں کا خیال چھوڑ کر اس نے ابنِ ادنیٰ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ابنِ ادنیٰ سمجھ گیا کہ عُمر بازو بند اور انگوٹھیاں ہڑپ کرنے کی فکر میں ہے مگر قبل اس کے کہ وہ اپنا ہاتھ چھڑُاتا یا زبان سے کچھ کہتا عُمرو لقا سے کہنے لگا:

"عالم پناہ، جتنی حضور کی وفاداری اور خیر خواہی میں نے اس شخص میں پائی ہے، دنیا کے کسی غُلام میں اپنے آقا کے لیے نہ ہو گی۔ اس میں شک نہیں کہ امیر حمزہ سے ناراض ہونے کے بعد میرے دل میں خود بخود حضور کی بندگی اختیار کرنے کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ مگر اس خیال پر عمل کرنے اور آپ کی

خدمت میں اس وقت حاضر ہونے کے لیے مجھے اسی شخص نے آمادہ کیا تھا۔"

ابنِ ادنیٰ نے اپنی یہ تعریف سُنی تو زمین کو بھُول کر اُس کا دماغ ساتویں آسمان کی سیر کرنے لگا۔ اہلِ دربار اُسے رشک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ لقا کے دل میں اس کی قدر بڑھ گئی۔

ایک لمحے رُک کر عُمرو پھر کہنے لگا "خُداوند! بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔ مجھے اپنے ساتھ یہاں لانے کے لیے اس نے جس طرح میری خوشامد کی تھی، اس سے مجھے شک گزرا تھا کہ اس کی یہ کوشش حضور کی خیر خواہی میں نہیں بلکہ اس انعام کے لانے میں ہے جو اسے میری وجہ سے حضور کی جانب سے ملنے کی اُمّید تھی۔ مگر اس نے آقائے ولی نعمت، اپنی خیر خواہی سے، تیرے اس غُلام نے مجھے حیران کر دیا۔ جب میں نے اس پر اپنا شک ظاہر کیا تو حضور کی بندگی کی قسم کھا کر اس نے کہا کہ بے شک مجھے خداوند سے انعام ملے گا مگر خداوند کی خوشنودی کے علاوہ میں اس کا کوئی لالچ نہیں رکھتا۔ جو کچھ بھی مجھے عطا ہو گا، بھرے دربار میں سب کا سب تجھے پیش کر دوں گا۔"

اتنا سنتے ہی اہلِ دربار ایک ساتھ مرحبا مرحبا، آفرین آفرین پُکارنے لگے۔ لقا کا چہرہ فخر سے چمکنے لگا۔ ابنِ ادنیٰ ظاہر اپنی اس تعریف پر پھولا نہ سما رہا تھا مگر اندر ہی اندر عُمرو پر تاؤ کھا رہا تھا۔ آدھے کے بعد تین چوتھائی سے ہاتھ دھو کر وہ مجبوراً چوتھائی مال پر قناعت کر رہا تھا مگر اب عُمرو سارے کا سارا ہضم کیے جا رہا تھا۔ بہرحال، اب کچھ کہنا سُننا اس کے لیے مناسب نہ تھا۔ بات ختم کرتے ہی اس کا ہاتھ چھوڑ کر زنبیل سامنے کر دی۔ دل پر پتھّر رکھ کر اس نے سارے زیورات اس کے اندر ڈال دیے۔ دربار میں ایک بار پھر مرحبا مرحبا، آفرین آفرین کی صدائیں گونجنے لگیں۔

"بختیارک عُمرو کا یہ داؤ تاڑ گیا۔ اس نے مُسکراتے ہوئے کہا "خواجہ جی، اطمینان رکھو۔ خداوند سے لو لگاؤ گے تو یہاں ہر ایک کو ایسا ہی پاؤ گے۔"

"بس ملک جی۔" عُمرو نے کہا "پھر میں بھی مرتے مر جاؤں گا، یہ آستانہ چھوڑ کر اور کہیں نہ جاؤں گا۔"

"میاں عُمرو۔" شاہ فرامُرز نے اپنے جڑاؤ کلائی بندہ اُتار کر اُس کی طرف

بڑھاتے ہوئے کہا" تمہارا آنا مبارک ہو۔ میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

عُمرو نے لپک کر کلائی بند سنبھالے اور اُنہیں زنبیل میں ڈالتے ہوئے بولا "خداوند کی عنایت آپ پر قائم رہے۔" لقا نے خوش ہوتے ہوئے کہا" اے عُمرو، ہم تم سے بہت خوش ہوئے۔ ہم اسی وقت تجے اپنے خاص بندوں میں شامل کرتے ہیں۔ طِلسم کی ہر نعمت اور پر راحت تیرا حق ٹھہراتے ہیں۔ باڑی گارڈ کے باغ کی جو عمارت بھی تُو پسند کرے وہ تیری ہو گی۔ جتنی کنیزیں ،خادم اور محافظ تو چاہے گا تیری خدمت کے لیے حاضر ہوں گے۔ اس کے علاوہ بھی تیری ہر طلب پوری کی جائے گی۔ اور دربارِ عام یا دربارِ خاص میں آنے جانے میں کِسی وقت بھی تجھ سے کوئی روک ٹوک نہ کی جائے گی۔"

"آہ خداوند۔" عُمرو نے کہا" میں ہرگز اتنی عنایتوں کا مستحق نہ تھا۔ اس ذرّہ نوازی اور قدر دانی کا شکر ادا کرنا میرے لیے مُشکل ہے۔ بس آج سے میرا جینا اور مرنا صرف حضُور کے لیے ہو گا۔ جب تک حضُور کے گستاخ اور نافرمان بندوں کو ہزار شکل سے دفع نہ کر دوں گا عیش و آرام حرام سمجھوں

گا۔" اتنا کہہ کر وہ سانس لینے کے لیے چند لمحے ٹھہرا پھر بڑے فخر سے بولا
"اگر حضور قبول فرمائیں تو شکرانے کے طور پر ایک اہم تحفہ پیش کروں؟"

کسی کا تُحفہ خواہ کتنا ہی اعلیٰ اور قیمتی کیوں نہ ہو، مگر جب وُہ کسی کو پیش کیا جاتا ہے تو دینے والا اِنکساری سے کام لیتے ہوئے اُسے حقیر یا معمولی تحفہ کہا کرتا ہے۔ جب عُمرو نے اپنے تحفے کو اپنے ہی مُنہ سے اہم کہا تو لقا سے لے کر عام درباری تک سب چونک پڑے۔ اور حیرت کے ساتھ اُسے گھورنے لگے کیونکہ ایک دو بالشت کی معمولی سی زنبیل کے علاوہ اُس کے پاس کوئی سامان نہ دکھائی نہ دیتا تھا۔

عُمرو نے بڑے فخر سے اہلِ دربار پر نگاہ دوڑائی۔ اطمینان کے ساتھ زنبیل کو کندھے سے اُتار کر فرش پر رکھ دیا۔ اور پھر زنبیل کے مُنہ کے سامنے بیٹھ کر اُس کے اندر ایک ہاتھ احتیاط کے ساتھ باہر نکالنے لگا، دیکھتے ہی دیکھتے زنبیل میں سے ایک فولادی خود باہر نکلتا دکھائی دیا۔ فولادی خود کے نیچے چوڑے کلّے اور مضبوط جبڑے کا ایک بُہت ہی رعب دار چہرہ بھی زنبیل کے مُنہ سے

باہر نکل آیا تھا۔ اور اس کے نیچے ایک موٹی گردن بھی دکھائی دے رہی تھی۔

"ارے! یہ کیا ہے؟" فرامُرز نے حیرت سے کہا "خواجہ یہ تُم کِس کا سر کاٹ لائے ہو؟"

"یہ تو کسی زندہ انسان کا سر ہے۔" لقا نے سر پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا "ایسا لگ رہا ہے جیسے بے ہوش ہے۔ یا گہری نیند میں ہے۔"

"میرا خیال ہے۔" بختیارک بولا "اس سر کے پیچھے دھڑ بھی ہو گا اور ٹانگیں بھی۔"

"عالم پناہ" عُمرو نے لقا سے کہا "چار شہ زور سپاہیوں کو میری مدد کے لیے حکم فرمایئے۔"

لقا نے اشارہ کیا اور چار گرانڈیل سپاہی عُمرو کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ عُمرو زنبیل کے دہانے کی دوسری جانب بیٹھ گیا اور اسے دائیں بائیں سے پکڑنے کے بعد سپاہیوں سے بولا:

"اس سر کو احتیاط سے باہر کھینچو۔"

سپاہیوں نے گردن کے نیچے ہاتھ رکھ کر آہستہ آہستہ سر کو باہر گھسیٹا۔ دیکھتے دیکھتے ایک چوڑا چکلا مضبوط سینہ کُشادہ شانے اور بھرے ہوئے فولادی بازو زنبیل سے باہر نکل آئے۔ اب عُمرو نے دو اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔

چاروں نے مل کر تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد فولادی زرہ پہنے ہوئے ایک سورما کو زنبیل سے باہر نکالا اور سہارا دے کر کھڑا کر دیا۔ اس سورما کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ بے ہوشی کہ وجہ سے آنکھیں بھی بند تھیں مگر چہرے پہ ایسا رعب تھا کہ درباریوں میں سے بہتوں کو اس کی طرف بھرپور نگاہ ڈالنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ پورے دربار میں اُس کی ٹکر کے بس چند ہی سردار نظر آتے تھے۔ دربار کا ہر شخص یہ جاننے کے لیے بے تاب تھا کہ یہ کون ہے۔ بہت سے لوگ اسے امیر حمزہ سمجھنے لگے تھے۔ حتّٰی کہ لقا کے وزیر تک کو یہ غلط فہمی ہو گئی۔ اس نے عُمرو سے سوال کیا:

"کیا امیر حمزہ یہی ہے؟"

”عالی جاہ، یہ امیر حمزہ کے لشکر کا ایک بہت بڑا سردار، شہنشاہِ ہند لندھور ہے۔ شہ زوری اور بہادُری میں امیر حمزہ کے تمام سرداروں میں افضل ہے۔ امیر حمزہ کے علاوہ دنیا کا کوئی پہلوان جادُو کی طاقت کے بغیر اِسے زیر نہیں کر سکتا۔ یہی میرا تُحفہ ہے۔ میں اسے حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔“

”کیا یہ خُداوند کی بندگی قبول کرلے گا۔“ بختیارک نے سوال کیا۔ سارا دربار اس سوال کا جواب سُننے کے لیے بے تاب تھا۔

”نہیں۔ یہ امیر حمزہ کی وفاداری کبھی ترک نہیں کر سکتا۔“ عُمرو نے کہا ”البتّہ اس کے نہ ہونے سے امیر حمزہ کی طاقت کو بہت دھکا لگے گا۔“

”تو کیا؟“ لقا نے اپنی نگاہیں عُمرو کے چہرے پر گاڑتے ہوئے کہا ”تم یہ پسند کرو گئے کہ اسے جلد سے جلد قتل کر دیا جائے؟“

”اگر حضور اس بات کو بہتر اور مناسب خیال کریں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں نے اسے حضور کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ اب حضور مُختار ہیں۔ جیسا چاہیں کریں۔“

لقا کچھ دیر عُمرو کے چہرے کا غور سے جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس کی نگاہوں کا کڑوا پن ختم ہو گیا اور اس میں فکر مندی جھلکنے لگی۔ سارے درباریوں نے خاموش ہو کر ادب سے سر جھکا لیے۔ فرامُرز اور بختیارک سرگوشیاں کرنے لگے۔ چند لمحے بعد بختیارک اپنی جگہ سے آہستہ آہستہ چلتا ہوا لقا کے وزیر کے پاس آیا، اس کے کان میں کوئی بات کہی اور اپنی جگہ پر چلا گیا۔ وزیر نے بڑھ کر لقا سے کان میں کچھ کہا۔ کچھ دیر لقا غور کرتا رہا۔ پھر عُمرو سے مخاطب ہوا!

''تم جانتے ہو کہ امیر حمزہ ہمارے نو سو ننانوے (۹۹۹) طِلِسم تباہ کر چُکا ہے۔ تم یہ بھی دیکھ چُکے ہو کہ اِس آخری طِلِسم کو دنیا کی کوئی طاقت فتح نہیں کر سکتی۔ مجھے اس کی مضبوطی پر پورا اعتماد ہے۔ مگر خواب میں نہ جانے میں کیا کیا قوتیں امیر حمزہ کو دے چکا ہوں۔ یہ بات میرے بُہت سے خیر خواہوں کو کھٹکتی ہے۔ تم بچپن سے امیر حمزہ کے ساتھ رہے ہو۔ اُس کے مزاج سے اچھّی طرح واقف ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارے اور لندھور کے نہ ہونے سے اُس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اور وہ فتح کرنے کا خیال چھوڑ کے سیدھا وطن کی

راہ لے گا؟“

”خداوندِ ولی نعمت“ عُمرو نے کہا ”ہمارے غائب ہونے سے امیر حمزہ کے حوصلے بلا شبہ پہلے جیسے نہ رہیں گے مگر اتنے پست بھی نہ ہوں گے کہ وہ فوراً یہاں سے ڈیرے اُٹھا کر چل دے۔ میں سمجھتا ہوں، وہ ضرور اِدھر آئے گا۔ اور طلِسم فتح کرنے کی کوشش کرے گا۔ مگر مجھے اِس کی کوئی پروا نہیں۔ خداوند کی عنایت سے میں اُس کی ہر کوشش ناکام بنا دوں گا۔ اور اسے یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دوں گا۔“

فرامُرز، بختیارک اور لقا کے وزیر کی آنکھوں میں عُمرو کی یہ بات سُن کر اُمّید کی چمک آ گئی۔ لیکن لقا نے بدستور سنجیدہ رہتے ہوئے کہا:

”عُمرو، میں تُم پر پورا اعتماد کرتا ہوں۔ تم میرے لیے غیر نہیں رہے۔ کیا تُم بتاؤ گے کہ تم نے امیر حمزہ سے نبٹنے کے لیے کوئی خاص ترکیب سوچ رکھی ہے؟“

”جی بندہ پرور“ عُمرو نے کہا ”امیر حمزہ کے طلِسم پر فتح یاب ہونے کی صورت

میں خود میری سلامتی کو بھی خطرہ ہو گا۔ میں اس کی فکر سے غافل کیسے ہو سکتا ہوں۔ حضور کی بندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہی میرا دماغ کام کرنے لگا تھا۔ چنانچہ دربار میں داخل ہونے سے چند لمحے پہلے ہی میں ایک اعلیٰ اور کارگر تجویز سوچ چکا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تجویز کامیاب ہو گی۔ یا تو امیر حمزہ اپنے لشکر سمیت ہمارے ہاتھوں تباہ ہو گا یا پھر طِلسم فتح کرنے کی حسرت لیے ہوئے ہر حالت میں وطن کُوچ کر جائے گا۔" فرامُرز اور بختیارک کے چہرے چمک اُٹھے مگر قبل اس کے کہ وہ کچھ بولتے لقا نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔

"عُمرو۔" لقا نے جوش میں آ کر کہا "اگر تمہاری تجویز ایسی ہی ہوئی تو تُم اپنے سے زیادہ مجھے کسی اور پر مہربان نہ پاؤ گے۔ میرے بعد دنیا کی ساری نعمتیں اور راحتیں تمہارے لیے ہوں گی۔ میرے سارے وفادار بندے تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گئے اور اشارہ دو گے تو آسمان کے تارے بھی تمہارے لیے توڑ لائیں گے۔ اپنی تجویز پیش کرو۔ ما بدولت سُننے کے لیے بے چین

ہیں۔"

عُمرو نے دوزانو ہو کر لقا کی قبا کو بوسہ دیا اور پھر کھڑے ہو کر ادب سے کہنے لگا "عالم پناہ میں جو کچھ کروں گا فرض سمجھ کر کروں گا۔ اس کے علاوہ دل میں کسی لالچ کو جگہ نہ دوں گا۔ میری تجویز یہ ہے کہ جس طرح لندھور کو گرفتار کر کے لایا ہوں، اسی طرح امیر حمزہ کے دوسرے نامور سرداروں اور بیٹوں پوتوں کو بھی یہاں لا کر قید کر دوں گا۔ پھر جب امیر حمزہ طلِسم فتح کرنے کی غرض سے اِدھر کا رُخ کرے تو اس سے معاہدہ کیا جائے۔ ہماری شرط یہ ہو گی کہ اگر وہ خاموشی سے وطن واپس چلا جائے گا تو اُس کے گرفتار شدہ سرداروں اور شہزادوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے گی۔ وہ سب ہمارے قبضے میں رہیں گے۔ اور ہر سال چھ مہینے ہم ان کو ایک ایک دو دو کر کے رہا کرتے رہیں گے۔ یہ بات نہ مانی گئی تو ایک ساتھ ہم اِن سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیں گئے۔ مجھے یقین ہے کہ امیر حمزہ اپنے چہیتے سرداروں اور بیٹیوں پوتوں کا قتل ہونا گوارانہ کرے گا۔ اس طرح نہ صرف اس وقت وہ

ہمارے سروں سے ٹل جائے گا بلکہ برسوں اِدھر کارُخ نہ کرے گا۔ اور اگر کہیں خوش قسمتی سے خود امیر حمزہ میرے ہتھّے چڑھ گیا تو پھر تو ہمیشہ کے لیے فتنہ پاک ہو جائے گا۔ رہ گیا اس کا لشکر۔ تو حضور کے باڈی گارڈ ہی اسے تہس نہس کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔"

"بہت ہی معقول تجویز ہے۔" بختیارک نے ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"میں اس سے اتّفاق کرتا ہوں۔" شاہ فرامُرز خُوشی سے پہلو بدلتے ہوئے بول اُٹھا۔

"میں بھی تائید کرتا ہوں۔" لقا کا وزیر کہہ اُٹھا۔

"بہت ہی شاندار۔" لقا بولا۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ "اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ مگر عُمرو لندھور کو تُم اتّفاقیہ طور پر پکڑ لائے ہو؟ کیا دُوسروں کو بھی اتنی ہی آسانی سے گرفتار کر سکو گے؟"

"حضور اس کی بالکل فکر نہ کریں۔" عُمرو نے مُسکراتے ہوئے کہا "منشا کے مطابق اتفاقات پیدا کرنا، مُشکل کو آسان بنانا ہی اس ناچیز کا کام ہے۔ ساری

زندگی یہی کرتا آیا ہوں۔ البتّہ اِس رعایت کی درخواست ضرور کروں گا کہ طِلسم سے باہر جانے اور اندر واپس آنے میں کبھی کوئی رُکاوٹ میری راہ میں حائل نہ ہو۔ یہ رعایت مل گئی تو ہر موقع سے فائدہ اٹھانا میرے لیے مُمکن ہو جائے گا؟"

"یہ رعایت تُمہارا حق ہے۔" لقا نے کہا "میں اِسی وقت تمہیں اس سے سرفراز کرتا ہوں۔" اتنا کہہ کر لقا نے اپنے گلوبند کے اندر سے ٹٹول کر ایک ہار نکالا اور عُمرو کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "لو یہ گلے میں ڈال لو۔ لیکن اس کی جان سے زیادہ حفاظت کرنا۔ اسے پہننے کے بعد پیلے خزانے کے علاوہ اندر باہر کی کوئی بھی طِلسمی رُکاوٹ تُمہارا راستہ نہ روکے گی۔"

عُمرو نے آگے بڑھ کر لقا کے ہاتھ سے ہار لے لیا۔

لقا نے محافظوں کے سپہ سالار کو حکم دیا "لندھور کو اپنی حفاظت میں رکھو اور عُمرو کے لیے فوراً باغ میں ایک بہترین مکان کا بندوبست کر دو۔"

طلِسمی ہار

عُمرو صاحب بھُوک کے ویسے ہی کچّے تھے، طعام خانے کے قریب پہنچنے پر کھانوں کی مہک جو اُنہیں محسوس ہوئی تو اور بھی بے تاب ہو گئے۔ دروازہ زیادہ دُور نہ تھا مگر یہ چند قدموں کا فاصلہ بھی اُنہیں طویل محسوس ہو رہا تھا۔ آگے چلنے والے آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہے تھے۔ عُمرو کے جی میں آئی کہ سب کو دھکیل دھکال آگے نکل جائے۔ مگر ہمّت نہ ہوئی۔ لاچار اپنے آگے چلنے والوں کو دِل ہی دِل میں کوسنے لگا۔

طعام خانے کے اندر پہنچے تو بے چارہ کچھ دیر کے لیے اپنے اوسان ہی کھو بیٹھا۔ دربار کا سنگار بھی اپنی جگہ خُوب تھا مگر اس کمرے کی توسج دھج ہی نرالی تھی۔ چھت کے رنگارنگ نقش و نگار ایسے پیارے اور اتنے دل کش کہ دیکھتے

جی نہ بھرے۔ جابجا لٹکتے ہوئے ایسے ایسے بلّوریں جھاڑ فانوس اور رنگ برنگے قمقمے کہ نگاہ پڑے تو ہٹنے کا نام نہ لے۔ فرش کا قالین اتنا نرم اور خوش رنگ کہ پیر رکھنے کے بجائے پڑ رہنے کو دِل مچلے۔ سُنہری دیواروں اور ستونوں پر بنے ہوئے نقّاشی کے کام کی کیا بات تھی۔ کہیں عقیق جڑے ہوئے تھے۔ کہیں مِرجان۔ کسی نقش کو ہیرے جگمگا رہے تھے۔ کسی پر زمرّد کی بہار تھی۔ کہیں لعل پھبن پیدا کر رہا تھا، کہیں شب چراغ کوندے مار رہا تھا۔ عُمرو حیران تھا کہ کیا دیکھے کیا نہ دیکھے۔ بارے کھانے کی خوش بُو نے جب پے درپے اس کی بھُوک کو ڈنک مارے تو وُہ کمرے کے درمیانی حصّے کی طرف مُتوجّہ ہوا۔ وہاں سونے کی ایک لمبی چوڑی میز کے گرد چاندی کی جڑاؤ کرسیاں رکھی تھیں۔ سِرے کی کُرسی کا پُشتہ دوسری کرسیوں سے زیادہ اُونچا تھا۔ اس پر لقا بیٹھ چکا تھا۔ آگے کی طرف دائیں بائیں کی کرسیوں پر وزیر اور فرامُرز شاہ براجمان تھے۔ ان کے بعد ایک کُرسی پر ابنِ ادنیٰ جم چُکا تھا۔ ارد گرد برّاق لباس میں پری زاد خادم ادب کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر عُمرو چونکا اور جا کر ابنِ ادنیٰ کے سامنے والی کُرسی پر بیٹھ گیا۔

اب جو اُس نے میز کے اوپر ایک سِرے سے دوسرے سِرے تک نگاہ دوڑائی تو پھر پریشان ہو گیا۔ میز پر رکھّے ہوئے کھانے پینے کے سارے چھوٹے بڑے برتن سونے چاندی کے تھے اور بھاپ نکلتے ہوئے قسم قسم کے خوش رنگ اور خوش بُو دار کھانوں سے بھرے ہوئے تھے۔

آخر لقا نے کھانا شروع کرنے کا اشارہ کیا۔ عُمرو نے اپنا کمر بند ڈھیلا کیا آستینیں چڑھائیں اور پلیٹوں پر ٹوٹ پڑا۔ ارادہ تو اس کا یہی تھا کہ میز پر موجود ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا ضرور کھائے گا۔ کسی پلیٹ کو چکھّے بغیر نہ چھوڑے گا مگر مُصیبت یہ ہوئی کہ جس کھانے کو ہاتھ لگاتا بس کھائے چلا جاتا۔ ایک چیز کو کھاتے ہوئے دوسری کو حسرت سے تکتا رہتا۔

اُس نے کمرے میں موجود ہر شخص سے کئی گُنا زیادہ تیز دستی دکھائی مگر پھر بھی آدمی تھا۔ کتنا کھاتا اور دوسروں کے ہاتھ سمیٹتے سمیٹتے خود اُس کی بھی اوجھری پھُول گئی۔ لاچار سب کے ساتھ وہ بھی اُٹھا۔ کھانے کے بعد سب لوگ طعام خانے کے بغلی برآمدے میں جا بیٹھے۔ یہاں کچھ دیر تک لقا حُقّہ

نوشی کرتا رہا۔ ساتھ ہی اپنے وزیر، شاہ فرامُرزا اور بختیارک سے سرگوشی بھی کرتا جاتا۔ آخر اُس نے محفل برخاست کرتے ہوئے عُمرو سے کہا۔

"سپہ سالار نے تمہاری رہائش کا انتظام کر دیا ہو گا۔ جا کر آرام کرو۔ جس چیز کی کمی محسوس ہو اُسے حکم کرنا۔ فوراً مہیّا کرے گا۔"

"بندہ پروری کا شکریہ۔" عُمرو نے ادب سے کہا "مگر میں اس وقت آرام نہیں کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" لقا نے پُوچھا۔

"مطلب یہ ہے خُداوند۔" عُمرو نے کہا "کہ اپنی تجویز پر عمل کرنے کے لیے میں اسی وقت یہاں سے روانہ ہونا چاہتا ہوں۔"

"اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔" لقا نے کہا۔ "کچھ دن آرام کر لو۔ برسوں کے تھکے ماندے ہو۔ تازہ دم ہو کر کام شروع کرنا۔"

"بندہ پرور۔" عُمرو نے کہا "اب آرام تو امیر حمزہ کے اندیشہ سے مکمل نجات حاصل کر کے ہی کروں گا۔ فی الحال ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اجازت دیجیے

اور ابنِ ادنیٰ کو بھی میرے ساتھ جانے کی ہدایت فرمایئے۔“

”کیا تم امیر حمزہ کے لشکر میں جاؤ گے؟“ لقا نے سوال کیا۔

”اس وقت تو صرف جنگل والے چھپّر تک جانے کا ارادہ ہے۔ لیکن اپنا کام کرنے کے لیے اگر امیر حمزہ کے لشکر میں بھی جانا پڑا تو قدم پیچھے نہ ہٹاؤں گا۔“

”اچھی بات ہے۔ جاؤ!“ لقا نے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا ”لیکن ہوشیاری سے کام لینا۔ غیر ضروری طور پر اپنے آپ کو خطرے میں مت ڈالنا۔ آیندہ اگر کسی کو گرفتار کر کے لاؤ تو اسے میرے پاس لانے کی ضرورت نہیں۔ محافظوں کے سپہ سالار کے حوالے کر دینا۔ وہ اسے مناسب وقت پر میرے سامنے پیش کر دیا کرے گا۔ ویسے تمہارا جب جی چاہے دربار میں آ جایا کرنا اور ہاں بے شک ابنِ ادنیٰ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ جب تک حیدرِ کرّار کی تلوار کا ظہور نہیں ہوتا، فصیل کے باہر وہ تمہارا بہترین مدد گار ثابت ہو گا۔ جاؤ میرا کرم تمہارے ساتھ شامل رہے گا۔“

"عُمرو اور ابن ادنیٰ نے دوزانو ہو کر لقا کی قبا کو بوسہ دیا اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔ محل کی چار دیواری کے پھاٹک پر ان کے شیر موجود تھے۔ طلِسمی نالی پار کر کے ابنِ ادنیٰ نے اپنے آپ کو پھر پہلے کی طرح نورانی درویش بنایا۔ اس کے بعد دونوں خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے شیروں پر سوار ہو کر چل دیئے۔

اب کی بار آگے آگے عُمرو تھا۔ اس مرتبہ پہرے پر موجود سپاہی اُسے بھی سلامی دے رہے تھے۔ عُمرو سمجھ گیا تھا کہ اس کا سبب لقا کا بخشا ہوا طلِسمی ہار ہے۔ پھر بھی وہ فصیل کے پھاٹک اور میدان کی رکاوٹوں پر اس کا اثر دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ اسی وجہ سے وہ ابنِ ادنیٰ سے زیادہ سے زیادہ آگے نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ محافظوں کے باغ کی چار دیواری سے نکل کر اس نے اپنے شیر کی رفتار اور بڑھا دی۔ غالباً یہ بھی ہار ہی کا اثر تھا۔ شیر اشارہ پاتے ہی ہوا ہو گیا۔

طلِسمی سواروں کے ہجوم سے آگے نکل کر عُمرو نے پلٹ کر دیکھا۔ ابنِ ادنیٰ کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ اسی موقع پر راوٗ مان، پراز مان، طور مان اور اجگر مان

چاروں جادُوگروں نے گھوڑوں پر کھڑے ہو کر اپنی اپنی جگہ سے عُمرو کو سلامی پیش کی، ہاتھ کے اشارے سے اُنہیں جواب دے کر وہ فصیل کے پھاٹک کی طرف متوجہ ہوا۔ پھاٹک پر نگاہ جماتے ہی اس کا دل خُوشی سے دھڑکنے لگا۔ طِلسمی ہار کے اثر سے اس میں راستہ پیدا ہو چکا تھا۔ اس کے خیال میں سب سے اہم اور مشکل مرحلہ یہی تھا۔ اسی وجہ سے اُسے شک تھا کہ شاید ہار یہاں آسانی سے اور ابنِ ادنیٰ کی مدد کے بغیر کام نہ آسکے۔ مگر اس کامیاب تجربہ نے اس کا سارا وہم دُور کر دیا۔

عُمرو نے ایک بار پھر پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ ابنِ ادنیٰ طِلسمی سواروں کے درمیان تک آپہنچا تھا۔ چاروں جادُوگر اُسے سلامی پیش کر رہے تھے۔ اچانک اسی لمحے عُمرو کے دِل میں پھر ایک وہم پیدا ہوا۔ کہیں یہ کھلا راستہ نظر کا دھوکا نہ ہو؟ ۔ دوسرے ہی لمحے اس نے فیصلہ کیا کہ ابنِ ادنیٰ کے قریب آنے سے پہلے ہی مجھے اسے آزمالینا چاہیے۔ اس نے اپنے شیر کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ شیر نے چھلانگ لگائی۔ پلک جھپکتے میں عُمرو نے خود کو بلند ہوتا اور پھر نیچے ہوتا

محسوس کیا۔ نیچے ہوتے ہی اس نے پھاٹک پر نگاہ جمائی۔ مگر اس میں کوئی راستہ دکھائی نہ دے رہا تھا لیکن اس بات پر گھبرانے یا پریشان ہونے کے بجائے عُمرو مُسکرا رہا تھا۔ اس لیے کہ اب وہ فصیل کے اندر نہ تھا۔ شیر چھلانگ لگا کر باہر آچکا تھا۔ اور وہ اس پر بدستور سوار تھا۔

شیر کو روک کر وہ ابنِ ادنیٰ کا انتظار کرنے لگا۔ ہار کو آزمالینے کے بعد اب وہ اس سے زیادہ آگے نکل جانا غیر ضروری سمجھ رہا تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پھاٹک میں پھر کشادہ راستہ ظاہر ہوا اور ابنِ ادنیٰ اس میں سے باہر آیا۔

پھاٹک پھر پہلا جیسا ٹھوس اور ہموار دکھائی دینے لگا۔ فصیل کے اوپر سے شامول، نونخ اور نوماگ بدستور میدان میں تیر، آگ اور پتھّر برسا رہے تھے۔ دونوں میدان میں سے ہو کر ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ اس بار ابنِ ادنیٰ کو راستہ بنانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ طلسمی ہار کی وجہ سے ان کے لیے میدان میں خود بخود ایک گزر گاہ بن گئی تھی۔ اگلے میدانوں میں اقریش،

شور کاش، نوز شیرل اور عمراش بھی اپنی اپنی جگہ مُستعدی کے ساتھ کام کر رہے تھے مگر زہریلے غبار، دھوئیں، سانپوں، بچھوؤں چیونٹوں، بھُنگوں اور مچھروں سے محفوظ رہتے ہوئے وہ ان میدانوں کو بھی پار کر گئے۔ تیسرا پہر ختم کرتے ہوئے دونوں اپنی منزل یعنی چھپّر والے چبوترے تک جا پہنچے۔

اب امیر حمزہ کا حال سُنئے۔ لندھور کو عُمرو کی تلاش میں بھیجنے کے بعد وہ دربار سے اُٹھ کر اپنے خاص خیمے میں آ گئے۔ اُنہیں یقین تھا کہ لندھور عُمرو کو جلد پا لے گا۔ دونوں واپس آنے میں دیر نہ لگائیں گے۔ چوب داروں کو تاکید کر دی کہ جیسے ہی وہ لشکر گاہ کے قریب پہنچیں اُنہیں سیدھا میرے خیمے میں پہنچنے کی ہدایت کی جائے۔ لندھور دن نکلے ہی روانہ ہو گیا تھا۔ امیر حمزہ کا خیال تھا کہ عُمرو کو لے کر وہ دو گھنٹے کے اندر واپس آ جائے گا، مگر جب اتنا وقت گزر چکا تو وہ بے چین ہو گئے۔ کھانے کے وقت تک اُن کی یہ بے چینی انتہا کو پہنچ گئی۔ دستر خوان بچھایا جا چکا تھا۔ تمام عزیز، دوست اور سردار خدمت میں حاضر تھے مگر نہ وہ کسی سے بات کرتے تھے نہ کھانے کے لیے اُٹھتے تھے۔

وقت گزرتا رہا۔ کھانا ٹھنڈا ہوتا رہا، بھُوک بڑھتی رہی۔ کسی کو امیر سے پچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

آخر سبھوں نے اسد غازی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ وہ امیر حمزہ کے چہیتے نواسے تھے۔ بچپن سے ان کے مُنہ چڑھے تھے۔ دوسروں کی شہ پا کے وہ امیر حمزہ کے پاس آئے اور ٹھنک کر کہنے لگے۔

"نانا جان، بھُوک سے آنتیں قُل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔ اُٹھیے کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

"کیا عُمرو آ گیا؟" امیر حمزہ نے سر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ اور اِدھر اُدھر دیکھ کر بولے "لندھور کہاں ہے؟"

"دونوں میں سے کوئی بھی نہیں آیا۔ نانا جان" اسد غازی بولے۔ "شاید کُچھ دیر میں آ جائیں۔ چلئے جب تک ہم لوگ کھانا کھاتے ہیں۔"

"مجھے بھُوک نہیں۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "تُم لوگ جا کر کھالو۔"

"آپ کے بغیر کوئی بھی نہیں کھائے گا۔" اسد غازی ضد کرتے ہوئے

بولے۔ ”اُٹھیے۔ آخر اتنا افسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خواجہ جی کوئی پہلی دفعہ تھوڑی روٹھے ہیں۔ شام تک لندھور اُنہیں منا ہی لائیں گے، چلیے۔“

”بیٹا۔ مجھے بہت دکھ ہے۔ اس بار میں نے عُمرو کے ساتھ واقعی زیادتی کی ہے۔“ امیر حمزہ بولے ”مجھے اندیشہ ہے کہیں ضِد اور غُصّے میں وہ ابنِ ادنیٰ کے پھندے میں نہ جا پھنسا ہو۔ لندھور بھی اب تک نہیں آیا۔ سمجھ میں نہیں آتا وہ کیوں رُک گیا۔“

”یا امیر، آپ فکر نہ کریں۔“ مندویل اصفہانی نے آگے بڑھ کر ادب سے عرض کیا ”عُمرو نے لندھور کو روک لیا ہو گا۔ بہر حال اگر کچھ دیر اور وہ نہ آئے تو کھانا کھا کر خادم فوراً اُن کی تلاش میں روانہ ہو جائے گا۔“

”اطمینان رکھیے امیر۔“ مہلیل جنگ عراقی نے کہا ”ہر حالت میں مغرب کے وقت تک ہم اُنہیں خدمت میں حاضر کر دیں گے۔“

چار و ناچار امیر حمزہ کو کھانے کے خیمے میں جانا پڑا ہی تو اُن کا بالکل نہیں چاہ رہا تھا، پھر بھی دستر خوان پر بیٹھ کر دوسروں کی خاطر مُنہ چلاتے رہے۔ کھانا ختم

ہونے کے بعد جب وہ آرام گاہ میں جانے لگے تو مہلیل جنگ عراقی اور مندویل اصفہانی کی طرف دیکھتے ہوئے اُنھوں نے کہا:

"میں انتظار کروں گا۔ جیسے ہی عُمرو آئے، مجھے اطلاع دینا۔" یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ دونوں نامور سردار عُمرو کو ڈھونڈ کر واپس لانے کی کوشش کریں۔ وہ دونوں سر جھُکا کر اور سینے پر ہاتھ رکھ کر ایک ساتھ بولے۔

"بہت بہتر۔ ہم اِسی وقت روانہ ہوتے ہیں۔"

"خُدا تمھیں جلد کامیاب لوٹائے۔ لشکر گاہ سے نِکل کر سیدھے شمال کا رُخ کرنا۔ خدا حافظ۔" اتنا کہہ کر امیر حمزہ نے آرام گاہ کی طرف قدم اُٹھائے۔ ان کے جانے کے بعد یہ دونوں سردار بھی ایک ساتھ خیمے سے باہر نِکل گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے گھوڑوں پر شمال کی سمت اُڑے چلے جارہے تھے۔ لندھور کے ہاتھی کے پیروں کے نشانات اُن کی رہنمائی کر رہے تھے۔ خاصی دیر چلتے رہنے کے بعد ایک چڑھائی پر پہنچ کر دونوں ٹھِٹھک گئے۔ راستے کے نشیب میں کوئی دو سو گز کے فاصلے پر، درختوں کے ایک جھُنڈ میں

اُنہیں کچھ گڑبڑ سی دِکھائی دی۔ شاخیں ٹوٹنے کی آوازوں کے ساتھ جھُنڈ کے اندر ایک خوفناک سایہ بھی حرکت کرتا محسوس ہو رہا تھا۔ دونوں اُسے غور سے دیکھنے لگے۔ چند ہی لمحے بعد ایک درخت کو زمین پر گِرا کر وہ سایہ سامنے آ گیا۔

"اوہ! یہ تو لندھور کا ہاتھی ہے۔" مہلیل نے کہا۔

"مگر یہ تنہا کیوں ہے؟" مندویل بولا۔

"ممکن ہے عُمرو اور لندھور اس کے پیچھے باتیں کرتے ہوئے پیدل آ رہے ہوں۔" مہلیل نے خیال ظاہر کیا۔

دونوں سردار ہاتھی کے پیچھے دُور دُور تک نگاہیں دوڑاتے لگے۔ ہاتھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا ڈھلان طے کر کے راستے پر آ پہنچا مگر اُس کے پیچھے کہیں سے کہیں تک کِسی انسان کا سایہ ہی نہ دِکھائی دیتا تھا۔ راستے پر پہنچ کر ہاتھی نے ایک بار اِن سواروں کی طرف دیکھا اور پھر مُڑ کر لشکر گاہ کی طرف چل دیا۔ اپنی چال ڈھال سے وہ خاصا اُداس نظر آ رہا تھا۔

"مہلیل" مندویل نے کہا "مجھے دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے۔"

"پھر؟ کیا ہم راستہ چھوڑ کر اس طرف جائیں۔ جِدھر سے ہاتھی آتا دِکھائی دیا تھا۔" مہلیل بولا۔

"نہیں" مندویل نے کہا "زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہم راستہ نہ چھوڑیں۔ جہاں تک ہمیں ہاتھی کے جاتے وقت کے نشانات ملیں، چلے جائیں۔ اس سے ہم اُس جگہ تک ضرور پہنچ جائیں گے جہاں تک لندھور اس پر سوار رہا ہو گا۔ یا جس جگہ وہ ہاتھی سے الگ ہوا ہو گا۔"

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔" گھوڑے کی باگ کو جھٹکا دیتے ہوئے مہلیل نے کہا۔ "آگے کی بات ہمیں اس کے بعد ہی سوچنی چاہیے۔"

دونوں سرداروں کے گھوڑے پھر راستے پر تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ ہاتھی کے پیروں کے نشانات پر وہ ٹھیک اُسی راستے پر چلے جا رہے تھے جس پر ہوتے ہوئے لندھور جنگل کے چھپّر والے چبوترے تک پہنچا تھا اور جہاں اس وقت عُمرو اور ابنِ ادنیٰ موجود تھے۔

فریب

لقا کے پاس سے روانہ ہونے کے وقت سے لے کر چبوترے پر پہنچنے تک عُمرو نے ابنِ ادنیٰ سے کوئی بات نہ کی۔ دراصل وہ طِلسمی ہار اور لقا کا بھروسا حاصل کرنے کی خوشی میں مست ہو رہا تھا۔ اس مستی کی وجہ سے ابنِ ادنیٰ کی طرف توجّہ دینا تو الگ رہا اس نے اس بات پر بھی غور نہ کیا کہ اب آیندہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

دُوسری طرف ابنِ ادنیٰ کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اپنی جانب سے کوئی بات کرتا۔ حالانکہ ایک تو راستے میں وہ عُمرو سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ فصیل کے اندر وہ اس آگے آگے کیوں چلتا رہا ہے۔ دوسرے وہ یہ جاننے کے لیے بیتاب تھا کہ عُمرو آئندہ کے بارے میں کیا سوچ رہا ہے اور اس سلسلہ میں

اسے کیا کرنا ہو گا۔ دربار میں عُمرو نے جس دیدہ دلیری کے ساتھ اس کا پورا انعام ہضم کر لیا تھا اس کی وجہ سے وہ اس سے بری طرح ڈر گیا تھا۔ اس نے اپنے لیے اسی میں خیریت سمجھی کہ اس شخص سے بے تکلّف ہونے سے بچا جائے۔ خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ جو پوچھے اس کا مختصر اور سیدھا سادا جواب دے دیا جائے۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کی جائے۔ چنانچہ عُمرو کو اپنی دھن میں مگن دیکھ کر وہ بھی خاموش رہا۔ سواری کے دونوں شیر چبوترے کے نیچے کھڑے اس پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے مگر اس نے اُنہیں جانے کا کوئی اشارہ نہ دیا۔ شاید اس لیے کہ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ عُمرو کچھ دیر یہیں رُکے گا یا امیر حمزہ نے لشکر کی جانب روانہ ہو گا۔

ناگاہ ایک کوّا اُڑتا ہوا آیا اور چھپّر پر بیٹھ کر کائیں کائیں کرنے لگا۔ ابنِ ادنیٰ فوراً اس کی طرف متوجّہ ہو گیا۔ چند لمحوں بعد کوّا چھپّر سے اُڑا اور جدھر سے آیا تھا اُدھر چلا گیا۔ ابنِ ادنیٰ نے عُمرو سے کہا:

”جناب، امیر حمزہ کے دو سردار مہلیل جنگ عراقی اور مندویل اصفہانی اِدھر

آ رہے ہیں۔"

"اوہ!" عُمرو نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا "اچھا۔ سب سے پہلے شیروں کو بھگا دو۔"

ابنِ ادنیٰ نے شیروں کو اشارہ کیا۔ دونوں درندے اپنی جگہ سے اُچھلے اور لمبی لمبی چھلانگیں لگاتے ہوئے ایک ٹیلے کی رُکاوٹ میں پہنچ کر غائب ہو گئے۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ لندھور کا ہاتھی کہاں ہے؟" عُمرو نے کچھ سوچتے ہوئے ابنِ ادنیٰ سے سوال کیا۔

"وہ لشکر گاہ کی طرف جا رہا ہے۔" ابنِ ادنیٰ نے جواب دیا۔

"ہوں۔۔۔ تو اس کا مطلب ہے دونوں سرداروں نے اُسے راستے میں دیکھا ہو گا؟"

"جی ہاں۔ کوّے نے مجھے یہی بتایا ہے۔" اب ادنیٰ نے جواب دیا۔

"وہ یہاں سے کتنی دُور ہوں گے؟"

”زیادہ دُور نہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں یہاں پہنچ جائیں گے۔“

عُمرو کچھ دیر خاموشی سے سوچتا رہا اور اس کے بعد چُٹکی بجاتے ہوئے بولا ”ٹھیک ہے۔ آنے سو۔ بس تم فوراً شربتِ انار سے بھری ہوئی ایک بلّوریں صراحی اور چار چاندی کے کٹورے حاضر کرو۔ شربت انتہائی خوشبو دار اور ٹھنڈا ہونا چاہیے اور کٹورے نقشین اور چمک دار ہوں۔“

ابنِ ادنیٰ نے یہ سُن کر ادب سے سر جھکایا۔ آسمان کی طرف مُنہ کر کے عُمرو کی فرمائش دہرائی اور ایک ہاتھ ہوا میں پھیلا دیا۔ دوسرے ہی لمحے اُس کی ہتھیلی پر چاندی کا ایک طشت دکھائی دے رہا تھا۔ شربت انار سے بھری ہوئی شفاف شیشے کی ایک صراحی اور چمچماتے ہوئے چاندی کے چار نقشین پیالے طشت میں رکھے ہوئے تھے۔ طشت کو عُمرو کے سامنے رکھتے ہوئے اس نے پُوچھا:

”کیا میں چھُپ جاؤں؟“

”نہیں“ عُمرو نے رُعب کے ساتھ کہا ”بیٹھے رہو۔ البتہ چہرے کو ایسا ضرور بنالو

کہ اگر وہ دل میں تمہیں قتل کرنے کا خیال لائے ہوں تو تم پہ نگاہ پڑتے ہی ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگیں۔"

"اور اگر اُنہوں نے ایسا ارادہ نہ کیا ہو تو؟" ابنِ ادنیٰ نے سوال کیا۔

"تو!" عُمرو نے شوخی کے ساتھ آنکھیں نچاتے ہوئے کہا "تو پھر تم شرمندہ ہو کر خود اُن سے معافی مانگنا۔"

"بہتر ہے۔" ابنِ ادنیٰ نے عُمرو کی اس بات پر چکراتے ہوئے کہا "مگر میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

"ارے؟ ہاہاہاہا" عُمرو نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "تُم بھی نرے بُدھو نکلے۔ کہیں مذاق کا بھی کچھ مطلب ہوتا ہے۔ اچھا فکر نہ کرو۔ جیسے ہو ویسے ہی بیٹھے رہنا۔ جیسا اشارہ دوں ویسا کرنا۔"

ابنِ ادنیٰ نے جھینپ کر سر نیچا کر لیا۔ عُمرو نے صُراحی اُٹھالی۔ دو پیالے لبالب بھرے۔ زنبیل میں ہاتھ ڈال کے سفوفِ بے ہوشی کی ایک پُڑیا نِکالی۔ سفوف کو صُراحی میں ڈال کر اچھّی طرح حل کیا اور پھر ایک بھرا ہُوا پیالہ اُٹھاتے

ہوئے ابنِ ادنیٰ سے بولا:

"دُوسرا پیالہ تُم اُٹھالو۔ بس آہستہ آہستہ چُسکی لیتے رہنا۔" زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ مہلیل اور مندویل آپہنے۔

دُھوپ میں سفر کرتے رہنے سے اُن کے حلق خشک ہو گئے تھے۔ یہاں شربت انار کا دُور چلتا دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گئے۔ بات اُنہیں معلوم ہو چکی تھی کہ نورانی بزرگ کے بھیس میں لقا کے آخری طلِسم کا محافظ ابنِ ادنیٰ ہے۔ چبوترے کی جانب آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے دونوں سردار کبھی سوچتے کہ جاتے ہی ابنِ ادنیٰ پر پل پڑیں، کبھی خیال کرتے کہ عُمرو سے بات کرنا مناسب رہے گا۔

عُمرو فوراً بھانپ گیا۔ جیسے ہی دونوں سردار چبوترے کے قریب پہنچے، اس نے اُنہیں آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "آیئے آیئے۔ خوش آمدید۔ اچھے موقع پر آئے۔ بھئی میں لندھور کے ساتھ فوراً واپس آجاتا مگر چاہتا تھا کہ یہ بزُرگ بھی میرے ساتھ چلتے۔ اب اُنہیں منانے کے لیے رُک گیا تھا۔ اب جا کے

بڑی مُشکل سے راضی ہوئے ہیں۔ آؤ بیٹھو شربت پیو۔ پھر چلتے ہیں۔ ""

عُمرو کے آنکھ مارنے سے دونوں سردار سمجھ گئے کہ خواجہ عُمرو ابنِ ادنیٰ کو پھانسنے کی فکر میں ہیں۔ سارا شک و شبہ اُن کے دِلوں سے جاتا رہا۔ دونوں اپنے گھوڑوں سے اُتر کر چبوترے پر آ گئے اور عُمرو اور ابنِ ادنیٰ سے مصافحہ کر کے ادب سے چٹائی پر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھتے ہی عُمرو نے طراحی اُٹھا کر باقی کے دو پیالے شربت سے بھر دیئے اور بولا:

"پیالے اُٹھایئے۔ ایسا فرحت بخش شربت آپ نے اِس سے پہلے نہ پیا ہو گا۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے پیالے کے گھونٹ بھرنے لگا۔

دونوں سرداروں نے پیالے اُٹھا لیے۔ شربت کی ٹھنڈک اور خوشبُو سے اُن کے دماغ معطّر ہو گئے۔

"لندھور کہاں گئے؟" اچانک مہلیل نے سوال کیا۔

"ہاہاہا۔" عُمرو نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "پہلوان نِرے چغد ہوتے ہیں۔ ہاتھی کو باندھے بغیر کھانا کھا کے پڑ رہے۔ اب اُسے ڈھونڈنے گئے ہیں۔"

"ارے! اُسے تو ہم نے لشکر گاہ کی طرف جاتے دیکھا تھا۔" مندویل بولا:

"بس۔ تو اُس کے پیروں نے نشان پر چلتے ہوئے لندھور بھی لشکر گاہ جا پہنچے گا۔" عُمرو نے ہنستے ہوئے کہا اور شہریت پینے لگا۔ دونوں سرداروں نے بھی ہنستے ہوئے پیالے مُنہ سے لگا لیے۔ ایک تو پیاسے تھے، دوسرے شربت بھی بے حد ٹھنڈا میٹھا اور خوشبُو دار تھا۔ دونوں نے ایک ہی سانس میں آدھے پیالے خالی کر دیئے۔

"بھئی واہ۔ بہت اچھا شربت ہے۔" مہلیل نے سانس لیتے ہوئے کہا اور پھر پیالہ مُنہ سے لگا لیا۔

"جواب نہیں۔ واقعی ایسا شربت میں نے پہلے کبھی نہیں پیا۔" مندویل نے رُک کر کہا اور پھر بڑے بڑے گھونٹ بھرنے لگا۔

دونوں نے پیالے خالی کر کے طشت میں رکھ دیے۔ عُمرو نے صُراحی اُٹھا کر مُسکراتے ہوئے کہا "کچھ اور پیش کروں؟"

"ہاں یار۔ نیکی اور پُوچھ پُوچھ۔" مہلیل نے جھُومتے ہوئے کہا۔ "اماں سبحان

اللہ۔ اس میں تو نشہ بھی ہے۔" مندویل لڑکھڑاتے ہوئے بولا۔

عُمرو نے تھوڑا تھوڑا شربت ان کے پیالوں میں اور ڈال دیا۔ دونوں نے کپکپاتے ہوئے ہاتھ پیالوں کی طرف بڑھائے مگر کوئی اُنہیں چھُو نہ سکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں لڑھک گئے اور پھر اُنہیں تن بدن کا ہوش نہ رہا۔

"گھوڑوں کو کسی درخت سے باندھ دو۔" عُمرو نے ابنِ ادنیٰ کو حکم دیا اور خود زنبیل سے ریشمی ڈوریاں نکال کر دونوں سرداروں کے ہاتھ پیر باندھنے لگا۔ جب تک ابنِ ادنیٰ گھوڑوں کو باندھ کر آیا، عُمرو دونوں سرداروں کو زنبیل میں رکھ چکا تھا۔

"شیروں کو بلاؤں۔ واپس چلیں گے؟" ابنِ ادنیٰ نے پُوچھا۔

"نہیں۔" عُمرو نے کہا "چند گھنٹے ہمیں یہاں اور ٹھہرنا چاہیے۔ کیا عجب کچھ اور لوگ بھی ہتھے چڑھ جائیں۔"

عُمرو کا یہ خیال ٹھیک ہی ثابت ہوا۔ لندھور کا خالی ہاتھی لشکر گاہ پہنچا تو امیر حمزہ کے سرداروں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ اُنہوں نے چاہا کہ اِس کی اطلاع

امیر حمزہ کو آرام گاہ میں پہنچائیں مگر شہزادہ اسد غازی نے اِس بات کو مناسب نہ سمجھا۔ سرداروں کو سمجھاتے ہوئے اس نے کہا:

”ہمیں کوئی پریشان کُن خبر امیر کو نہ دینی چاہیے۔ میری نظر میں عُمرو کی واپسی مشکل نہیں۔ مندویل اور مہلیل اس کی تلاش میں جا چُکے ہیں۔ اُمّید ہے کہ اب وہ آتے ہی ہوں گے۔ مغرب کے وقت تک اُن کا انتظار کرنا ہم پر واجب ہے۔ خُدانخواستہ اگر وہ اُس وقت تک نہ آئے تو چند سرداروں کو ساتھ لے کر میں خُود اُن کی تلاش میں جاؤں گا۔ اس بات کا مجھے یقین ہو چکا ہے کہ تینوں سردار عُمرو تک پہنچ چکے ہیں اور صرف امیر کو پریشان کرنے کے خیال سے عُمرو نے اُنہیں روک لیا ہے۔ ہم ہرگز وہاں نہ رُکیں گے۔ عُمرو خُوشی سے آنے پر رضامند نہ ہُوا تو زبردستی لے آئیں گے۔ رات کے کھانے کے وقت تک انشا اللہ ہم عُمرو کو ہر حالت میں امیر کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اُس وقت تک اگر ہم امیر کو آرام کرنے دیں تو کیا حرج ہے؟“

سرداروں نے شہزادہ اسد کی ان باتوں سے پورا پورا اتفاق کیا۔ دن ڈھلے تک

وہ مہلیل اور مندویل وغیرہ کی واپسی کا انتظار کرتے رہے مگر جب وہ نہ پلٹے تو پروگرام کے مطابق مغرب کے بعد شہزادہ اسد روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ تین مشہور سردار بھی اُس کے ساتھ چلنے پر کمربستہ ہو گئے۔ اُن میں ایک بہرام تھا۔ دوسرا جمہور اور تیسرا مالِک اژدر۔ اسد نے اپنے علاوہ اِن سرداروں کی آنکھوں میں بھی سُرمۂ سلیمانی لگایا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر چاروں لشکر گاہ سے شمال کی جانب چل دیئے۔ سُرمۂ سلیمانی کی تاثیر سے اُنہیں تاریکی میں بھی بالکل دِن کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ لندھور کے ہاتھی اور مہلیل و مندویل کے گھوڑوں کے پیروں کے نشانات کو دیکھتے ہوئے وہ تیزی کے ساتھ ابنِ ادنیٰ کے چبوترے کی جانب چل دیئے۔

امیر حمزہ کی طرح لشکر گاہ میں دو اور شخص بھی عُمرو کی واپسی کے لیے سخت بے چین تھے۔ ان میں ایک عُمرو کا بٹیا چالاک تھا اور دوسرا عُمرو کا شاگرد برق فرنگی۔ عیّاری میں عُمرو کے بعد اِن دونوں کا جواب نہ تھا۔ لندھور کا ہاتھی لشکر گاہ میں خالی واپس آیا تو اِن دونوں کو سخت فکر ہوئی۔ پھر جب مہلیل اور

مندویل بھی شام تک واپس نہ آئے اور اِن سب کی تلاش میں شہزادہ اسد اور تین سرداروں کو اُنھوں نے روانہ ہوتے دیکھا تو اُن کے ماتھے ٹھنک گئے۔ دونوں نے فوراًان کا تعاقُب کرنے کا فیصلہ کیا اور کِسی سے کچھ کہے سُنے بغیر چُپکے سے لشکر گاہ سے باہر نِکل کر ان کے پیچھے ہو لیے۔ یہ دونوں پیادہ تھے اور آگے جانے والے گھوڑوں پر سوار تھے۔ مگر اُن سے کافی دُور رہتے ہوئے بھی یہ اُن کی آہٹوں پر کان دیتے ان کے پیچھے دوڑتے رہے۔ ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ لوگ بھی لندھور، مہلیل اور مندویل کی طرح واپس نہیں آ سکیں گے۔ وہ صرف یہ بات جاننا چاہتے تھے کہ آخر جانے والوں کو کیا ہو جاتا ہے۔ وہ واپس کیوں نہیں آتے؟

اِدھر عُمرو شام ڈھلے تک ابنِ ادنیٰ کو تنگ کر کر کے خُوب مزے لیتا رہا۔ آخر جب اِس تفریح سے اُس کا جی بھر گیا اور ہر طرف گہرا اندھیرا چھا گیا تو پہلے تُو اس نے ابنِ ادنیٰ کو ارد گرد تیز روشنی پیدا کرنے کا حکم دیا اور جب طلسمی مشعلوں نے پورے میدان کو بقعۂ نور بنا دیا تو عُمرو نے باڈی گارڈ کے باغ کے

پھل اور میوے طلب کیے۔ ابنِ ادنیٰ نے فوراً ہی یہ فرمائش بھی پوری کر دی۔ عُمرو کچھ دیر تک تنہا پھلوں کے طباقوں پر ہاتھ صاف کرتا رہا مگر پھر بعد میں ابنِ ادنیٰ کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ کُچھ دیر دونوں خاموشی سے پھل کھاتے رہے۔

اچانک ایک چمگادڑ کہیں سے اُڑتا ہوا آیا اور ابنِ ادنیٰ کے گرد چکّر لگانے لگا۔ وہ چخر چخر جیسی آوازیں نکال رہا تھا۔ عُمرو سمجھ گیا کہ امیر حمزہ کے لشکر سے پھر کوئی اُس کی تلاش میں آ رہا ہے اور یہ چمگادڑ ابنِ ادنیٰ کو اُسی کی اطلاع دے رہا ہے۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے ابنِ ادنیٰ کو گھورنے لگا۔

چند لمحے بعد ابنِ ادنیٰ نے انگلی اُٹھائی اور چمگادڑ فضا میں بُلند ہو کر غائب ہو گیا۔

"اسد غازی امیر حمزہ کے تین نامور سرداروں بہرام، جمہُور اور مالک اژدر کے ساتھ آ رہا ہے۔"

عُمرو یہ خبر سُن کر سوچ میں پڑ گیا مگر پھر جلد ہی اس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ اس نے کہا۔ "فوراً! اعلیٰ قسم کا شربت اور بلّوریں پیالے حاضر کرو اور تم خود

مراثی بن جاؤ اور پھر جیسے ہی میں گانا شروع کروں تُم سارنگی بجانا شروع کر دینا۔"

ابن ادنیٰ مراثی بننے پر بالکل آمادہ نہ تھا۔ اس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا "میرا مراثی بننا اور سارنگی بجانا کیا ضُرور ہے۔ آپ حکم دیں تو ایک سے ایک بہترین مراثی حاضر کر دوں۔"

"نہیں" عُمرو نے کہا "یہ کام تُمھی کو کرنا ہو گا۔ اور یاد رکھو، اگر کوئی کمی یا کوتاہی دکھائی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔ بس فوراً تیار ہو جاؤ۔"

بے چارے ابنِ ادنیٰ کو حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ چُٹکی بجانے کی دیر تھی کہ وہ ایک بڈھا کھوسٹ مراثی بن گیا اور لگا سارنگی پر رُوں رُوں کرنے۔

کچھ ہی دیر بعد عُمرو کو گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنائی دی۔ اُس نے فوراً کان پر ہاتھ رکھا اور لہک لہک کر گانے لگا۔ اِدھر ابنِ ادنیٰ کی سارنگی بھی تیز ہو گئی۔

شہزادہ اسد اور اس کے ساتھی سرداروں نے جنگل میں یہ منگل دیکھا تو اُن کے دل خوشی سے جھوم گئے۔

وہاں پہنچتے ہی اُنھوں نے گھوڑوں کی باگیں کھینچ دیں اور سب کچھ بھول کر گانا سُننے میں محو ہو گئے۔ اسی عالم میں ابنِ ادنیٰ نے عُمرو کے اشارے پر شربت کے پیالے بھر بھر کے آنے والوں کو پیش کرنے شروع کر دیئے۔ شربت میں عُمرو نے دوائے بے ہوشی ملا دی تھی۔ چند ہی لمحوں میں دوائے بے ہوشی اپنا اثر دِکھانے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے تینوں سورما ہاتھ پیر پھیلا کر چبوترے پر لیٹ گئے۔

عُمرو نے زنبیل میں سے ریشمی ڈوریوں کے لچھّے نکالے۔ ابنِ ادنیٰ نے اپنی پہلے والی شکل اختیار کی اور دونوں مل کر چاروں بے ہوشوں کے ہاتھ پیر باندھنے لگے۔ اچانک ایک چمگادڑ آ کر ابنِ ادنیٰ کے سر پر چکر لگانے لگا۔ ابنِ ادنیٰ نے زور سے کہا:

"تمہارا بٹیا چالاک برقی فرنگی کے ساتھ اِدھر آ رہا تھا۔ ممکن ہے اب وہ جھاڑیوں کی اوٹ سے ہمیں دیکھ رہے ہوں۔"

"کوئی پروا نہیں۔ تم شیروں کو بُلاؤ۔ میں اُن بے ہوشوں کو زنبیل میں ڈالتا

ہوں۔ ہم فوراً طلِسم کو واپس چلیں گے۔"

ابنِ ادنیٰ نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کیے۔ دو شیر فوراً ہی مختلف سمتوں سے چھلانگیں لگاتے ہوئے چبوترے کی طرف بڑھنے لگے۔ عُمرو بندھے ہوئے بے ہوش لوگوں کو زنبیل میں کھسکانے لگا۔ شیروں کے قریب آتے آتے اُس نے اپنا کام ختم کر دیا۔ اور جھاڑیوں کی طرف مُنہ اُٹھا کر بُلند آواز سے کہنے لگا "اے چالاک اور برق میں نے خُداوندِ لقا کی بندگی قبول کر لی ہے۔ اور امیر حمزہ کے نواسے اور سرداروں کو گرفتار کر لیا ہے۔ امیر سے کہنا کہ اگر خیریت چاہتے ہو تو ہرگز طلِسم کا رُخ نہ کرنا ورنہ تمہارا اور تمہارے باقی ساتھیوں کا بھی یہی انجام ہو گا۔"

یہ کہہ کر عُمرو اور ابنِ ادنیٰ شیروں پر سوار ہوئے اور طلِسم کی طرف چل دیے۔ اُن کے جاتے ہی طلِسمی مشعلیں بُجھ گئیں اور سارا جنگل تاریکی میں ڈوب گیا۔

پراسرار کاغذ

ابنِ ادنیٰ کا خیال درست تھا۔ جس وقت وہ عُمرو شہزادہ اسد اور ان کے بے ہوش ساتھیوں کے ہاتھ پیر باندھ رہے تھے، عُمرو کا بیٹا چالاک اور برق فرنگی جھاڑیوں کی اوٹ میں چھُپے ہوئے یہ ساری کاروائی دیکھ رہے تھے۔ عُمرو کو وُہ پہلی ہی نظر میں پہچان گئے تھے مگر اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ابنِ ادنیٰ کے ساتھ عُمرو کا رویّہ دوستانہ کیوں ہے۔ اور باندھے ہوئے لوگوں کو یہ زنبیل میں ڈال کر کہاں لے جانا چاہتا ہے۔ دو شیروں کا اچانک نمودار ہونا اور ابنِ ادنیٰ کے علاوہ عُمرو کا بھی اُن میں سے ایک پر سوار ہونا ان کے ذہنوں میں اور بھی الجھن پیدا کر رہا تھا۔ اسی حیرانی اور اُلجھن کے عالم میں اچانک اُن کے کانوں میں عُمرو کے وہ الفاظ گونجے جو اُس نے چلتے وقت انہیں مخاطب کر کے کہے

تھے۔ یہ ساری باتیں ایسی تھیں کہ اُنہیں اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہ آتا تھا۔ مگر بہر حال یہ سب کُچھ خواب نہیں بلکہ حقیقت تھا۔ دونوں نے اپنی آنکھوں سے عُمرو کو ابنِ ادنیٰ کے ساتھ شیروں پر سوار جاتے دیکھا تھا اور اپنے کانوں سے عُمرو کے الفاظ سُنے تھے۔

دونوں لڑکے جھاڑیوں سے باہر نکلے۔ بوجھل قدموں سے چبوترے کے قریب پہنچے۔ روشنی میں اُنہوں نے مہلیل، مندویل، شہزادہ اسد، بہرام، جمہور اور مالک اژدر کے گھوڑوں کو دیکھ لیا تھا۔ جوں توں کر کے اُنہوں نے سب کو اکٹھا کیا اور پھر ساتھ لے کر آہستہ آہستہ لشکر گاہ کی طرف چل دیئے۔

دوسرے دن صبح لڑکوں کی زبانی امیر حمزہ کو عُمرو کی غدّاری کا حال معلوم ہوا۔ انہیں عُمرو سے ہر گز ایسی توقع نہ ہو سکتی تھی۔ اور اگر خود اس کا بیٹا چالاک یہ واقعہ بیان نہ کرتا تو شاید دوسرے کی بات کا وہ یقین بھی نہ کرتے۔ مگر اب شک کی کہیں سے کہیں تک گنجائش نہ تھی۔ حقیقت سے باخبر ہونے پر اُن

کے غم و غصّہ کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اسی عالم میں اُنہوں نے لشکر چھاؤنی اُٹھا کر طِلسم کی جانب کُوچ کرنے کا حکم دیا۔

سورج ڈوبتے ڈوبتے یہ فوج ظفر موج ایک سر سبز اور کشادہ میدان میں جا پہنچی۔ اس سے آگے کی راہ کو سانپوں، بچھوؤں اور بھُنگوں مچھروں وغیرہ سے بند پا کر امیر نے اس کی حد کو قریب محسوس کیا اور لشکر کو اِسی میدان میں چھاؤنی ڈالنے کا حکم دیا۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر صدہا خیمے اور شامیانے کھڑے کر دیے گئے۔ دُور دُور تک بے شمار مشعلیں جگمگاتی دکھائی دینے لگیں۔ جو مقام چند گھنٹوں پہلے تک ویران اور سنسان پڑا تھا، زندگی کی رونق اور چہل پہل سے آباد ہو گیا۔

وہ رات امیر حمزہ نے دُعا اور عبادت میں گزاری۔ دوسرے دن صبح اُنہوں نے مشورے کی غرض سے فرزندوں اور سرداروں کا اجلاس طلب کیا۔ اس موقع پر پتا چلا کہ اور سب تو ہیں مگر امیر کے پڑپوتے، عَلَم شاہ کے پوتے، ملک قاسم کے بیٹے یعنی شہزادہ ایرج اور نور الدہّر غیر حاضر ہیں۔ چونکہ اُن کی

بہادری اور عقل مندی کے سبب امیر اُنہیں بہت چاہتے تھے، اس لیے اُنہوں نے فوراً چند سرداروں کو دریافتِ حال کے خیال سے اُن کے خیموں کو روانہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سردار واپس آئے تو رنگ اُن کے چہروں کا اُڑا ہوا تھا۔ سانس پھول رہی تھی اور نگاہوں سے وحشت اور پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"یا امیر" سرداروں میں سے ایک نے اطّلاع دی "دونوں شہزادے مع اپنی فوج کے دس بہادُر سرداروں کے غائب ہیں۔ پہرے داروں نے قسمیں کھا کر یقین دِلایا ہے کہ اُنہوں نے اُن میں سے کسی ایک کو بھی خیموں اور لشکر گاہ سے باہر نکلتے نہیں دیکھا۔ رات وہ سب اپنے اپنے خیموں ہیں جا سوئے تھے۔ اس کے بعد سے اُن کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

یہ سُنتے ہی امیر کا کلیجا دھک سے رہ گیا۔ پھر غُصّے سے سُرخ ہوتے ہوئے بولے "بس یہ حرکت عُمرو کی ہے۔ وہی اُنہیں سوتے سے اُٹھا لے گیا ہے۔ اب مجھ میں برداشت کی تاب نہیں۔ فوراً میرا گھوڑا تیّار کرو۔ میں اِسی وقت طِلسم میں جا کر اس غدّار کو مزہ چکھاتا ہوں۔"

چند لمحوں بعد امیر حمزہ ہتھیاروں سے لیس ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور طلِسم کی جانب تنہا چل کھڑے ہوئے۔ اقریش اور شور کاش کے میدان کے کنارے پہنچ کر اُنہوں نے گھوڑے کو روک لیا۔ سامنے کا سارا علاقہ زہریلے کیڑے مکوڑوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چاروں طرف نگاہیں دوڑانے کے بعد اُنہوں نے گھوڑے کو دائیں جانب موڑا اور سانپوں بچھوؤں والے میدان کے کنارے کنارے چل دیئے۔ اُن کا خیال تھا کہ اِس جانب آگے جا کر کہیں نہ کہیں کوئی ایسا راستہ مل جائے گا جس میں سے ہو کر وہ آگے نکل جائیں گے۔ اِسی امّید پر وہ گھوڑے کو دوپہر تک بے تحاشا دوڑاتے رہے مگر کہیں سے کہیں تک کوئی محفوظ راستہ نہ دکھائی دیا۔ آخر جب تھکاوٹ اور پیاس سے اُن کے گھوڑے کی زبان نکل آئی۔ خود ان کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تو ایک جگہ ٹھہر کر اُنہوں نے مشکیزے سے اپنا حلق تر کیا۔ گھوڑے کو پانی پلایا اور مایوس ہو کر لشکر گاہ کو لوٹ آئے۔

رات کا زیادہ حصّہ امیر نے عبادت اور دُعا میں گزارا۔ صُبح کے اِجلاس میں

اُنہیں اپنے فرزند عَلَم شاہ اور پوتے ملک قاسم کے دس پہلوانوں سمیت غائب ہونے کی خبر ملی۔ غیظ و غضب میں آ کر امیر حمزہ طلِسم کی جانب چل کھڑے ہوئے۔ اس مرتبہ اُنہوں نے بائیں جانب کا چکّر لگا کر راہ تلاش کرنے کی کوشش کی مگر ناکام ہو کر لشکر گاہ کو واپس آنا پڑا۔

اسی رات امیر بڑی دیر تک عبادت مشغول رہے۔ لیکن صُبح ہونے پر اُنہیں پھر ایک منحوس خبر سُننی پڑی۔ اُن کے دوسرے فرزند ہاشم تیغ زن لشکر کے دس پہلوانوں سمیت پر اسرار طور پر غائب تھے۔ اب پُورے لشکر میں امیر کے علاوہ کوئی بھی اعلیٰ درجے کا بہادر اور سپہ سالار باقی نہ رہا تھا۔ گھر بیٹھے اور بغیر جنگ کیے وہ ایسے اکتیس شیر دل غازیوں سے محروم ہو گئے جو اکتیس ہزار سُورماؤں پر بھاری تھے۔ یہ صدمہ ان کی برداشت سے باہر ثابت ہوا۔ ان کا دل ٹوٹ گیا۔ وہ اہل لشکر کو دُعا اور عبادت میں مشغول رہنے کا حکم دے کر خود خیمۂ خاص میں گئے اور دربار الٰہی میں رو رو کر امداد کی دعائیں مانگنے لگے۔

اِدھر امیر اور ان کے لشکر کا یہ حال تھا، اُدھر طلِسم کی فصیل کے اندر جشن

منائے جارہے تھے۔ باڈی گارڈ کے باغ کی ہر عمارت رنگ برنگی جھنڈیوں، جھالروں اور قمقموں سے دُلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ باغ میں جابجا دلکش شامیانے، چھولداریاں اور قناتیں آراستہ تھیں۔ کچھ لوگ زرق برق لباس پہنے اِتراتے پھر رہے تھے۔ کچھ طرح طرح کے سوانگ بھرے لوگوں کو ہنسا رہے تھے۔

کسی مقام پر نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے مقابلے ہو رہے تھے۔ کسی جگہ تیر اندازی اور کُشتی کے مظاہرے ہو رہے تھے۔ آج باغ میں کوئی بھی محافظ پہرے پر نظر نہ آیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جشن منانے کے لیے ہر ایک کو چھُٹّی دے دی گئی ہے۔

دن ابھی زیادہ گرم نہ ہو پایا تھا۔ کہ اچانک باغ کی پُراسرار عمارت کا پھاٹک کھُلا۔ چاق وچوبند مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ چار چار کی قطار میں اس سے باہر نِکلا اور کچھ دُور جا کر ٹھہر گیا۔ کچھ دیر بعد پھاٹک کے اندر سے زنجیروں کے کھڑکھڑانے کی آوازیں آنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک گرانڈیل جنگ جو

پہلوان بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑا ہوا پھاٹک سے بر آمد ہوا۔ اس کے پیچھے ایسا ہی ایک دوسرا شخص بھی نظر آیا۔ پھر تیسرا قیدی باہر آیا۔ اس کے پیچھے چوتھا، پانچواں، چھٹا۔ پورے اکتیس آدمی ایک کے پیچھے ایک اسی طرح زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے باہر نکلے۔ اور سپاہیوں کے پیچھے ایک غول کی شکل میں کھڑے ہو گئے۔

ان کے سپاہیوں کا ایک دستہ اور باہر آیا۔ اب پھاٹک بند کر دیا گیا۔ سارے سپاہی قیدیوں کو نرغے میں لیے ہوئے لقا کے محل کی طرف چل دیئے۔ جشن منانے والوں میں کسی نے قیدیوں کا مُنہ چڑایا، کسی نے اُنہیں دیکھ کر ہنسنا اور اٹھلانا شروع کر دیا۔ کسی نے اُن پر آوازے کسے اور کسی نے اُن کی جانب پھل اور شربت کے بھرے ہوئے گلاس پھینکے۔ مگر قیدی اِس شان سے آگے بڑھتے رہے جیسے وہ اس ہجوم کو یا ان کی حرکتوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔

لقا کے دربار میں داخل ہونے پر قیدیوں کا تالیاں بجا کر استقبال کیا گیا اور لقا

کے تخت کے سامنے اُن سب کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ اس موقع پر عُمرو نے کھڑے ہو کر ان میں سے ایک ایک کا تعارف کرایا۔ سارے قیدی غضب ناک نگاہوں سے عُمرو کو گھورتے اور خون کا گھونٹ پیتے رہے۔

تعارف ختم کرتے ہوئے آخر میں عُمرو نے کہا:

”آقائے ولی نعمت، امیر حمزہ کی شہرت انہی اکتیس بہادر کے نام سے قائم رہی ہے۔ یہ سب اتنے طاقت ور اور دلیر جنگ جُو ہیں کہ اگر اُنہیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو نہتّے ہونے کے باوجود یہ حضور کے محافظوں کے لشکر میں تہلکہ مچا دیں گے۔ حضور کے پہلوان اِن میں سے ایک پر بھی قابو نہ پا سکیں۔“

یہ سب یا تو امیر کے فرزند اور فرزندوں کے فرزند ہیں، یا اُن کے عزیز ساتھی اور دوست۔ ان کے قید ہونے کی خبر سُن کر امیر کا خون کھول اُٹھے گا۔ لیکن جب وہ انہیں رہائی دِلانے میں خود کو بے بس پائیں گے تو اُن کے زندہ اور محفوظ رہنے پر ہی خُدا کا شکر بجا لائیں گے۔ اور ان کی سلامتی کی خاطر کسی بھی شرط کو تسلیم کرنے سے انکار نہ کر سکیں گے۔“

”شرم۔ اے عُمرو شرم۔“ ہاشم تیغ زن نے شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے کہا ”کیا تیرے دیدوں کا پانی بالکل ہی ڈھل گیا ہے کہ تو نے قومی غیرت کا مذاق اُڑایا۔ لقا کی بندگی اختیار کی، امیر سے غدّاری کی، دوستی اور وفاداری کی آبرو برباد کی۔ ہمیں سوتے میں اُٹھالایا اور یہاں کا قیدی بنایا۔ کیا ان سب باتوں پر بھی تیرا دل مطمئن نہیں ہوا جو اب جھوٹی خُدائی کے دعویدار خُدا کے اِس ملعون بندے لقا کو اور سرکشی پر اُکسا رہا ہے؟ کیا تو ہمیں اسی لیے یہاں لایا ہے کہ امیر پر دباؤ ڈال کر من مانی شرطیں منوائے؟“

”ہاں۔ اے فرزندِ امیر۔ یہی بات ہے۔“ عُمرو نے ڈھٹائی سے آنکھیں ملاتے ہوئے شہزادہ ہاشم سے کہا ”تُم سب یہاں بطور یرغمال رہو گئے۔ شرط یہ ہو گی کہ امیر طلِسم فتح کرنے کے ارادے سے باز آئیں اور خاموشی کے ساتھ وطن واپس چلے جائیں۔ اگر اُنھوں نے یہ بات نہ مانی تو تم سب اِسی حالت میں قتل کر دیئے جاؤ گے۔ لیکن اگر اُنھوں نے معاہدہ کر لیا تو رہائی پاؤ گے۔“

”لعنت ہو تجھ پر۔“ ہاشم، عُمرو کی جانب نفرت سے تھُوکتے ہوئے بولے

”کاش میں آزاد ہوتا اور تجھے اِس غدّاری کا یہیں مزہ چکھاتا۔ یاد رکھ، ہم سب جان دینا قبول کریں گے مگر امیر کی بات نیچی نہ ہونے دیں گے۔ وہ ایک دن ضرور اِس طلِسم کو خاک میں ملائیں گے۔ ہم زندہ رہیں یا مر جائیں تُم اپنے انجام سے ہرگز نہ بچ سکو گے۔ بس یا تو تم سب اپنی غلطیوں پر پچھتاؤ، دل سے ایمان لے آؤ یا پھر اپنی تباہی کے لیے تیّار ہو جاؤ۔“

”لے جاؤ اِن گُستاخوں کو۔“ لقا نے سپاہیوں کو اشارہ کرتے ہوئے غُصّے سے کہا ”چوکسی کے ساتھ اِن پر نظر رکھو۔ ویسے یقین رکھو۔ امیر حمزہ کا طلِسم میں داخل ہونا ناممکن ہے۔ پھر بھی اگر کِسی طرح یہ مُمکن ہو جائے تو جیسے ہی امیر کے داخلے کا غلغلہ بلند ہو، ہرگز دیر نہ کرنا۔ فوراً اِن سارے قیدیوں کے سر تَن سے جُدا کر دینا۔ بس جاؤ۔ یہی تمہارے لیے آخری حکم ہے۔“

سپاہی قیدیوں کو لے کر دربار سے باہر نکل گئے تو لقا نے عُمرو سے کہا ”اے یارِ وفادار! تجھ سے زیادہ آج تک کسی نے مجھے خوش نہیں کیا۔ اس وقت سے لے کر آیندہ کا ہر معاملہ میں تجھ پر چھوڑتا ہوں۔ اب بتا، قیدیوں اور امیر کے

بارے میں تیرا کیا خیال ہے اور آئندہ کے لیے کیا ارادہ ہے؟"

"عالم پناہ! میں قیدیوں کے مزاج اور اُن کی فطرت سے خوب واقف ہوں۔ اِن کی نگرانی اور دیکھ بھال میرے حوالے کی جائے تاکہ میں آزادی کے ساتھ اِن کے پاس آجا سکوں اور اُنہیں معاہدے کے لیے رضامند یا حضور کا خیر خواہ بنا سکوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آج سے اب مجھے صرف امیر حمزہ کو قابو میں کرنے کی فکر رہے گی۔ ہر چند کہ اُن کو گرفتار کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن میں اس کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔ اگر اُن پر میرا وار چل گیا تو اندیشے کی جڑیں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گی۔ ورنہ آخری طور پر ہم اُنہیں معاہدہ کرنے پر تو مجبور کر ہی دیں گے۔ بہر حال، عالم پناہ کو اب ہر گز کوئی اندیشہ دل میں نہ لانا چاہیے۔ ہماری کامیابی کو اب دنیا کی کوئی طاقت ناکامی میں نہیں بدل سکتی۔"

لقا عُمرو کی اس بات سے بہت خوش ہوا اور اسی وقت قیدیوں کے بارے میں عُمرو کی خواہش کے مطابق حکم جاری کر دیا۔ دوپہر کا کھانا عُمرو نے لقا کے

ساتھ کھایا۔ اس کے بعد محل سے باغ میں آیا۔ یہاں کچھ دیر جشن کے تماشوں کے مزے لے کر سیدھا قید خانے گیا اور قیدیوں کو لقا سے تعاون کرنے کا لیکچر دینا شروع کر دیا۔ اس کی اِس بکواس سے شہزادہ عَلَم شاہ شیر کی طرح غرّاتا ہوا اُس کی طرف بڑھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہونے کے باوجود عُمرو پر ٹوٹ پڑے گا۔ محافظ سپاہیوں نے اُس کے یہ تیور دیکھ کر فوراً نیزے تان لیے۔ مگر شہزادے پر اُن نیزوں کا کوئی رعب نہ تھا۔ وہ پینترے کاٹتا ہوا بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ عُمرو سے چار قدم کے فاصلے تک آ پہنچا۔ اس کے تیوروں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ عُمرو کے بھرپور ٹکّر مارنے والا ہے۔ سپاہیوں نے نیزے اُس کی جانب لمبے کرنے کے لیے ہاتھوں کو جنبش دی۔ اسی لمحے عُمرو نے سپاہیوں کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے پہرے داروں کی آنکھ بچا کر شہزادے کی جانب ایک تہہ کیا ہوا کاغذ پھینکا اور آنکھ ماری۔ شہزادے نے کاغذ کے نیچے گرتے ہی اُس پر اپنا پیر رکھ دیا اور اسی جگہ جم کر کھڑا ہو گیا۔

عُمرو کچھ دیر اور لیکچر دیتا رہا مگر پھر نہ تو شہزادہ عَلَم شاہ نے کوئی حرکت کی اور نہ دوسرے قیدیوں نے۔ سب خاموشی کے ساتھ اس کی بکواس سُنتے رہے۔ آخر میں عُمرو نے پہریداروں کو اُن کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کی ہدایت کی اور پھر اطمینان کے ساتھ رُخصت ہو کر اپنے بنگلے میں چلا گیا۔ اس کا بنگلا قید خانے سے زیادہ دُور نہ تھا۔ وہ دراصل محافظوں کے سپہ سالار کی رہائش گاہ تھی جسے لقا کے حکم کے مطابق عُمرو کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ باغ میں اِس سے زیادہ آرام دہ، خوبصورت اور شان دار دوسری کوئی عمارت نہ تھی۔

عُمرو نے جب عَلَم شاہ کو آنکھ مارتے ہوئے کاغذ اس کی طرف پھینکا تھا تو کئی دوسرے قیدیوں نے بھی اُس کی یہ حرکت دیکھ لی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ عَلَم شاہ کے علاوہ وہ سب بھی خاموش ہو گئے تھے۔ عُمرو کے جانے کے بعد پہریداروں کی نگاہ چھپا کر باری باری جب اُنہوں نے وہ کاغذ پڑھا تو اُن کی حیرت اور خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ اس کا وہم بھی نہ کر سکتے تھے۔ ظاہری حالات کی بنا پر اُنہوں نے عُمرو کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی اُس پر وہ

دِل میں سخت شرمندگی محسوس کر رہے تھے اور اب اِس بات کا اُنہیں مکمل اطمینان ہو چکا تھا کہ ان کا انجام بخیر ہو گا۔

زنبیل کی کرامت

قیدیوں کی تسلّی کا بندوبست کرنے کے بعد عُمرو کو امیر حمزہ کی فکر ستا رہی تھی۔ اپنے بنگلے میں پہنچ کر جس بے چینی کے ساتھ آج اس نے رات ہونے کا انتظار کیا شاید اس سے پہلے کبھی نہ کیا ہو۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ آج سُورج کو کئی گھنٹے پہلے ہی غروب کر دیتا۔ بے چارہ کبھی اُٹھتا کبھی بیٹھتا، کبھی ٹہلتا اور کبھی ایک کاغذ پر کُچھ لکھنے لگتا مگر وقت تھا کہ کاٹے نہ کٹتا تھا۔

بہرحال اس طرح وقت کے گھوڑے کو چابک مار کر تیز نہیں دوڑایا جا سکتا، اسی طرح لگام کھینچ کر اُس کی رفتار بھی کم نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ اپنے وقت پر دن ڈھلا، شام ہوئی اور اپنے وقت پر سورج ڈوبا، رات ہوئی۔ آخر جب آسمان پر آدھی رات کا پھریرا لہرانے لگا تو عُمرو خاموشی کے ساتھ بنگلے سے نکل کھڑا

ہوا۔ اُس کا رُخ فصیل کے دروازے کی جانب تھا۔ باغ کے چپّے چپّے میں طلِسمی قمقمے جگمگا رہے تھے۔ رقص اور راگ کی محفلیں گرم تھیں۔ محافظ سپاہی دِل کھول کر جشن منا رہے تھے۔ اُن کے درمیان سے گُزر کر قدم بہ قدم چلتا ہوا عُمرو پھاٹک تک پہنچا۔ اس کے بعد کا راستہ اس نے ہرنوں کی طرح لمبی لمبی چھلانگیں لگاتے ہوئے طے کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ تینوں طلِسمی میدان پار کر کے امیر حمزہ کی لشکر گاہ کے قریب جا پہنچا۔ یہاں ایک لمحہ رُک کر اُس نے عیّاری کی چادر اوڑھی اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا امیر حمزہ کے خیمے کی جانب چل دیا۔

آج لشکر گاہ کے باہر چوکسی کرنے والے دستوں کے علاوہ اندر کوئی پہرا چوکی نہ دکھائی دے رہی تھی۔ ہر خیمے میں مشعلیں روشن تھیں۔ ہر سمت سے تلاوت، تسبیح اور حمد و مناجات کی آوازیں آرہی تھیں۔ امیر کے خیمے کے گرد بے شک کچھ سپاہی کھڑے تھے مگر عیّاری کی چادر کی وجہ سے وہ عُمرو کو نہ دیکھ سکتے تھے۔ عُمرو بے فکری کے ساتھ اُن کے درمیان سے گزرتا ہوا امیر کے

سامنے جا پہنچا۔ اس وقت وہ نماز تہجّد ادا کر رہے تھے۔ عُمرو اُن سے کافی دُور ایک مونڈھے پر بیٹھ گیا۔ اور ان کے غافل ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ نماز سے فارغ ہو کر امیر تلاوت کرنے لگے۔ پھر کُچھ دیر تسبیح پڑھتے رہے۔ اس کے بعد حمد و مناجات اور درود و سلام میں مشغول ہو گئے۔ خاصی دیر بعد جب رات کی سیاہی پھیکی پڑنے لگی تو امیر کے پپوٹے بھاری ہونے لگے۔ رہ رہ کر نیند کے جھونکے آنے لگے۔ آخر کار وہ جا نماز پر ہی دراز ہو گئے۔ عُمرو اسی موقع کا منظر تھا۔ وہ مونڈھے سے اُٹھا اور سانس روک کر امیر کی جانب بڑھنے لگا۔ قریب پہنچتے ہی اس نے اپنی زنبیل میں ہاتھ ڈالا اور تہہ کیا ہوا ایک کاغذ نکالا۔ کاغذ میں ایک سوئی پروئی ہوئی تھی۔ اس نے سوئی کی مدد سے پھُرتی کے ساتھ کاغذ کو امیر کے کُرتے میں سینے کے قریب نتھی کر دیا۔ اور پھر جس طرح آیا تھا خاموشی سے باہر نکل گیا۔ بس آج لشکر میں اس کا اتنا ہی کام تھا جو فِکر تیسرے پہر دن سے اُسے بے چین کیے ہوئے تھی وہ جاتے رہی۔ وہ طلِسم کی جانب روانہ ہو گیا۔ پھاٹک میں داخل ہوتی ہی ابنِ ادنیٰ نظر آیا۔ اس نے اُس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

”کہیے خواجہ جی، آج کیا رہا؟“

”کچھ نہیں۔“ عُمرو نے مُنہ بناتے ہوئے جواب دیا”امیر حمزہ پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ تھا مگر موقع ہی نہیں ملا۔“

”خیر کل سہی۔ آپ جس کے پیچھے پڑ جائیں وہ کب تک بچ سکے گا۔“ ابنِ ادنیٰ بولا۔

”ہاں۔ آج تک تو یہی ہوا ہے۔“ عُمرو نے فکر مندی کے ساتھ کہا”مگر امیر حمزہ کو آج میں نے جس طرح عبادت کرتے دیکھا ہے اس سے میرا دل کچھ پریشان ہو رہا ہے۔“

”کیوں؟ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ مصیبت میں ہر ایک یہی کرتا ہے۔“ ابنِ ادنیٰ عُمرو کا دِل بڑھاتے ہوئے بولا۔

”بات یہ ہے کہ امیر حمزہ جب بھی اس طرح عبادت کرتے ہیں، غیبی طاقت اُن کی مدد کرتی ہے۔“ عُمرو نے اداس لہجے میں جواب دیا اور پھر چلتے ہوئے بولا؟”خیر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اب جاتا ہوں۔ نیند آرہی ہے۔“

ابنِ ادنیٰ رُخصت ہو کر پہلے خزانے کی عمارت میں داخل ہو گیا اور عُمرو نے مُسکراتے ہوئے اپنے بنگلے کی راہ لی۔ رات بھر جشن منانے والے سپاہی باغ میں بے ہوش پڑے تھے۔

اُدھر لشکر میں فجر کی اذان کا غلغلہ بلند ہوتے ہی امیر حمزہ چونک پڑے۔ وضو کے ارادے سے اُٹھتے ہوئے اُنہوں نے کرتے کا دامن جو درست کیا تو سینے میں سوئی کی نوک چُبھ گئی۔ سینے پر نگاہ ڈالتے ہوئے اُنہوں نے وُہ کاغذ دیکھا جو عُمرو اُن کے گریبان میں نتھّی کر گیا تھا۔ اُنہوں نے یہ کاغذ نکالا اور شمع کے قریب پھیلا کر غور سے دیکھنے لگے۔ لکھا تھا:

"اے امیر حمزہ جن ظاہری حالات کو آپ اپنے خلاف سمجھ رہے ہیں، وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق آپ کے حق میں ہیں۔ آپ کے فرزند اور سردار ہر طرح خیریت سے ہیں۔ طلِسم کی فتح حیدرِ کرّار کی تلوار کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت خضر علیہ السّلام کے ذریعے اسے حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔ اس کے بعد ہی طلِسم کا رُخ کیجئے۔ احتیاط رکھیے، زبان سے اِس

بارے میں ایک لفظ ادا نہ ہو۔ طلِسم کے ارد گرد مُنہ سے نکلنے والی ہر بات طلِسم میں موجود لوگوں کو معلوم ہو جاتی ہے۔ فقط آپ کا غدّار عُمرو عیّار۔"

یہ تحریر پڑھتے ہی امیر حمزہ خوشی سے اُچھل پڑے۔ پریشانی اور اُداسی جاتی رہی۔ اطمینان کے ساتھ وضو کر کے اُنہوں نے نمازِ فجر ادا کی اور اُس کے بعد یہ نیّت کر کے سجدے میں کر گئے کہ جب تک مطلب حاصل نہ ہو گا سر نہ اٹھاؤں گا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اُن کا دماغ خوشبو سے معطّر ہو گیا۔ اُسی لمحے اُنہیں اپنی پیٹھ پر ایک تھپکی محسوس ہوئی۔ وُہ سمجھ گئے کہ دُعا قبول ہوئی۔ سر اُٹھا کر جو دیکھا تو سجدہ گاہ کے سامنے حضرت علی کی تلوار جگمگا رہی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک بازو بند بھی رکھا تھا جس میں اسد اللہ الغالب، کے الفاظ نقش تھے۔ امیر نے بے ساختہ ایک سجدۂ شکر ادا کیا اور پھر خیمے میں چاروں طرف نگاہ دوڑانے لگے۔ خیمے کے اندر اُن کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ حضرت خضر تلوار پہنچا کر رُخصت ہو گئے ہیں۔

سُورج طلُوع ہو چکا تھا۔ طلِسم کے اندر چند پہرے داروں اور قیدیوں کے سوا

سب لوگ نیند میں مدہوش تھے۔ رنگ محل اور باڈی گارڈ کے باغ میں سنّاٹا طاری تھا۔ اچانک طِلسم کی فصیل سے شور بُلند ہوا "ہوشیار! حمزہ طِلسم کی جانب بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ ہوشیار! حمزہ طِلسم کی جانب بڑھتا چلا آ رہا ہے۔"

یہ آوازیں اتنی زور دار تھیں کہ آنِ واحد میں سویا ہوا باغ اور رنگ محل سب جاگ اُٹھے۔ ابنِ ادنیٰ بھاگا ہوا عُمرو کے پاس آیا۔ اُسے سوتے سے اُٹھایا۔ عُمرو نے اٹھتے ہی داروغۂ قید خانہ کو طلب کیا۔ داروغہ آیا تو عُمرو نے اُسے حکم دیا کہ فوراً سارے قیدیوں کو لے کر فصیل پر جا پہنچے۔ اس کے بعد عُمرو اور ابنِ ادنیٰ رنگ محل کو چل دیے۔ وہاں لقا دیوانِ خاص میں پہنچ چُکا تھا۔ فرامُرز، بختیارک اور محافظ فوج کا سپہ سالار اُس کے سامنے دست بستہ حاضر تھے۔ عُمرو کو دیکھتے ہی لقا نے کہا:

"کیا رات تم حمزہ کے لشکر میں گئے تھے؟"

"جی ہاں خُداوند، مگر مجھے امیر پر وار کرنے کا موقع نہ مِل سکا۔" عُمرو نے کہا۔

"کہیں تُم اپنی طِلسمی ہار تو وہاں نہیں بھول آئے؟" لقا نے عُمرو کو گھورتے

ہوئے کہا ”امیر حمزہ طلسمی میدانوں سے گزرتا ہوا فصیل کی جانب کس طرح چلا آرہا ہے؟“

عُمرو نے اپنے کرتے کے اندر چھپا ہوا ہار باہر نکال کر لقا کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا ”ہار تو میرے پس ہی ہے۔ ضرور کسی غیبی قوّت نے امیر کی مدد کی ہے۔“

”اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“ لقا نے کہا۔

”خداوند فکر کی ضرورت نہیں۔ میری ہدایت پر قیدی فصیل پر پہنچائے جا چکے ہوں گے۔ اگر امیر حمزہ فصیل کے نیچے تک آ پہنچے تو قیدیوں کے سروں پر تلواریں رکھ کر ہم اُنہیں معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیں گے۔“ عُمرو نے اطمینان دِلاتے ہوئے کہا۔ ”بہتر ہو اگر حضور بھی فصیل پر تشریف لے چلیں۔“

”شاباش۔“ لقا کے مُنہ سے نِکلا۔ ”معقول تجویز ہے چلو۔“

یہ کہہ کر لقا بڑی شان کے ساتھ دربار کے بیرونی دروازے کی جانب قدم

اُٹھانے لگا۔ وزیر، محافظ فوج کا سپہ سالار، فرامُرز اور بختیارک اُس کے پیچھے ہو لیے۔ سب کے آخر میں ابنِ ادنیٰ اور عُمرو تھے۔ لقا نے دروازے کے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ راہداری کے نگاہوں سے اوجھل حصّے سے دو سپاہی ایک سفید براق گھوڑے کو لے کر آگے بڑھے اور سر جھُکا کر لقا کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ لقا نے گھوڑے کے قریب پہنچ کر اُس کی گردن تھپتھپائی اور رکاب میں پاؤں ڈال کر بڑی شان سے سوار ہو گیا۔ سپاہی گھوڑے کو لے کر آگے بڑھ گئے۔ اسی جگہ فوراً ہی دو دوسرے گھوڑے لگا دیئے گئے۔ ایک پر لقا کا وزیر سوار ہوا، دوسرے پر سپہ سالار۔ ان کے آگے بڑھنے پر پھر دو گھوڑے لائے گئے اور ان پر شاہ فرامُرز اور بختیارک سوار ہوئے۔ آخری دو گھوڑے عُمرو اور ابنِ ادنیٰ کے لیے تھے۔ وہ دونوں بھی سوار ہو کر لقا کے قافلے کے ساتھ چل دیئے۔ شاہی محافظوں کا ایک دستہ اس قافلے کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں چل رہا تھا۔ راہداری اور ایک ہال طے کر کے وہ چبوترے پر آئے۔ مُسلّح سواروں کا ایک چاق و چوبند دستہ چبوترے کے نیچے اُن کا منتظر تھا۔ جو نہی یہ سب سیڑھیوں سے گُزر کر نیچے پہنچتے انہیں ہر طرف سے اپنے

نرغے میں لے کر مُحافظ سوار فصیل کے دروازے کی طرف چل دیئے۔

فصیل پر پہنچنے میں اُنہیں زیادہ دیر نہ لگی۔ پھر بھی وہ اس وقت پہنچے جب امیر حمزہ حیدرِ کرّار کی تلوار سے فصیل کے پھاٹک پر وار کر رہے تھے۔ پھاٹک کے فولادی پھاٹک پر تلوار کا وار جس جگہ بھی پڑتا شگاف ہو جاتا۔ مگر پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پہلا جیسا ہموار ہو جاتا۔

"اے امیر حمزہ۔" عُمرو یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ چلّایا۔ "سامنے آ۔ بے کار سر نہ کھپا۔ یہ دروازہ تو قیامت تک نہ توڑ سکے گا۔ عقل سے کام لے اور خُداوند سے معافی مانگ لے۔ بس اسی میں تیری اور تیرے ساتھیوں کی نجات ہے۔"

یہ یقین رکھتے تھے کہ جس طرح وہ باہر کے تینوں طِلسمی میدانوں کو عبور کر آئے ہیں، اِسی طرح فصیل کے اندر بھی جا پہنچیں گے، مگر پھاٹک کے نہ ٹوٹنے پر وہ سخت حیران ہو رہے تھے۔ عُمرو کی آواز اُن کے کانوں میں آئی تو وہ سمجھ گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ پھاٹک سے پیچھے ہٹ کر اُنہوں نے

فصیل کے اُوپر نگاہ دوڑائی۔ میدان پر تیروں، پتھروں اور آگ کی بارش
کرنے والے تینوں طلِسمی پتلے یعنی شامول نونخ اور نوماگ ساکت ہو گئے
تھے۔ ان کے دائیں بائیں کئی قطاروں میں بہت سے لوگ کھڑے ہوئے
تھے۔ ایک جانب لقا اپنے وزیر، شاہ فرامُرز، بختیارک، ابنِ ادنیٰ اور عُمرو کے
ساتھ محافظوں کے درمیان کھڑا تھا۔ اور دوسری جانب۔۔۔ اس طرف
دیکھتے ہی امیر کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ اُن کے فرزند اور نامور سردار
زنجیروں میں جکڑے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور ان سب کے سروں پر سپاہی ننگی
تلواریں لیے اشارے کے منتظر کھڑے تھے۔ امیر نے گھبرا کر عُمرو کی
طرف دیکھا۔ اس نے امیر کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے چلّا کر کہا "اے
حمزہ، طلِسم فتح کرنے کا خیال دِل سے نکال دے۔ فوراً ڈیرے اُٹھا اور وطن کی
راہ لے۔ اگر تُو نے خُداوند لقا کی یہ بات مان لی تو ہر چھ مہینے بعد تیرے فرزند
اور سردار دو چار چار کی ٹولی میں رہا کیے جاتے رہیں گے۔ لیکن اگر تو نے یہ
بات نہ مانی، دوبارہ پھر اِدھر کا رُخ کیا تو تیرے فصیل کے قریب پہنچتے ہی
سارے قیدیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔ ٹھنڈے دِل سے سوچ

کر بتا، تُو کیا چاہتا ہے؟"

عُمرو کی آنکھ کا اشارہ امیر حمزہ نے دیکھ لیا تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ موقع کا تقاضا یہی ہے کہ فی الحال میں یہاں سے واپس چلا جاؤں۔ کچھ دیر خاموش رہ کر اُنہوں نے کہا:

"میں قیدیوں کی سلامتی چاہتا ہوں۔ لیکن آخری فیصلہ اپنے لشکر سے مشورہ کے بعد کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" عُمرو بولا "تمہیں دو دن کی مہلت دی جاتی ہے۔ واپسی کا فیصلہ کیا تو تمہیں تحفے بھی دیئے جائیں گئے۔ دوسری صُورت میں فرزندوں اور ساتھیوں کی لاشوں کے علاوہ کچھ بھی تمہارے ہاتھ نہ لگے گا۔"

امیر حمزہ اپنے لشکر گاہ کی طرف چلے اور فصیل پر عُمرو زندہ باد کے نعرے گونجنے لگے۔ واپسی پر عُمرو نے ابنِ ادنیٰ سے کہا:

"اے ابنِ ادنیٰ، امیر حمزہ بے بس ہو کر اس وقت تو چلا گیا ہے، لیکن اس کے ہاتھ میں حیدر کرّار کی تلوار دیکھ کر میرا دل اندر سے سخت بے چین ہے۔ آج

رات میں اُسے چُرانے کی کوشش کروں گا اور ممکن ہے اس میں میری جان چلی جائے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا مگر یہ بات میں کبھی گوارانہ کروں گا کہ میرے بعد میری زنبیل اُس کے قبضے میں چلی جائے۔ اس میں میری زندگی بھر کی کمائی جتنی دولت اس کے اندر ہے دنیا سے کسی بادشاہ کے خزانے میں نہ ہوگی۔ اب میں تجھے اپنا بھائی بنا چُکا ہوں۔ امیر کے بجائے اگر تو میری زنبیل کا مالک بن جائے تو بے شک مرنے کے بعد بھی میری روح کو سکون ملے گا۔ مہربانی کر کے کوئی ایسی صورت بتا کہ اگر خُدانخواستہ امیر کِسی طرح طلِسم میں داخل ہو جائے اور تُو پیلے خزانے کی عمارت میں جاچھپے تو میں ایسی حالت میں اپنی زنبیل تجھ تک کس طرح پہنچاؤں؟ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تو مجھے پیلے خزانے کے اندر محفوظ نہیں کر سکتا اور امیر کسی حالت میں تجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی تُو تو بچ جائے گا مگر امیر ہر گز مجھے جیتا نہ چھوڑے گا۔ مجھے صرف زنبیل کی فکر ہے۔"

زنبیل کی کرامت پر ابنِ ادنیٰ کا دل ویسے ہی ریجھا ہوا تھا۔ اس کے اندر کی

دولت کا ذکر سُن کر اس کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ لالچ نے اس کے دل میں اتنی بے ایمانی پیدا کر دی کہ وہ دعا کرنے لگا "کاش امیر حمزہ کسی طرح طِلسم میں داخل ہو جائے اور اس سے گھبرا کر عُمروز نبیل میرے حوالے کر دے۔ بھلے عُمرو اور لقا وغیرہ سب امیر کے ہاتھوں مارے جائیں، مجھے کیا میں تو پہلے خزانے میں محفوظ رہوں گا اور امیر حمزہ کے جانے کے بعد عُمرو کی دولت سے عیش کروں گا۔"

ابنِ ادنٰی نے دل ہی دل میں خوش ہو کر کہا "تُم اس کی بالکل فکر نہ کرو بس اپنی ہتھیلی میں سے ذرا سا خون نکال دو۔ یہ خون میں منتر پڑھ کر پہلے خزانے کے پچھلے حصّے سے ایک پتھر کے شیر کی ناک میں مل دُوں گا۔ جب ایسا نازک وقت آئے تو تُم اس شیر کے سامنے دس گز کے فاصلے پر کھڑے ہونا۔ شیر مُنہ پھاڑے تمہارے پاس آئے گا۔ تم بے شک زنبیل اس کے مُنہ میں ڈال دینا۔ جیسے ہی شیر پلٹ کر اپنی جگہ پر واپس ہو گا زنبیل فوراً مجھ تک پہنچ جائے گی۔"

یہ کہہ کر ابنِ ادنیٰ نے اپنا خنجر نکال کر عُمرو کے ہاتھ میں دے دیا۔ عُمرو نے خاموشی کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی پر اس سے خراش لگائی۔ خون کے قطرے نکلنے لگے تو ابنِ ادنی نے اُنہیں خنجر کی نوک پر سمیٹ لیا۔ اس کے بعد وہ پیلے خزانے کی طرف اور عُمرو اپنے بنگلے کی طرف چلے گئے۔ اپنے اپنے دل میں دونوں ہی خوش تھے۔

آدھی رات گُزرنے کے بعد عُمرو امیر حمزہ کے لشکر گاہ کی طرف چل دیا۔ امیر اپنے خیمے میں ٹہلتے ہوئے بے چینی کے ساتھ اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ اُنہیں یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا اور اُنہیں طِلسم کے اندر پہنچانے کا کوئی بندوبست کرے گا۔ وہ سر پر خود اور بدن پر زرہ لگائے ہوئے تھے۔ کمر سے نیام لٹک رہی تھی جس میں سے حیدر کرّار کی تلوار کا قبضہ نِکلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

رات ڈھلی جا رہی تھی۔ امیر ہوا کی ہلکی سی سرسراہٹ پر بھی چونک کر نے کے دروازے کی طرف غور سے دیکھنے لگتے۔ اچانک دروازے کا پردہ ذرا سا

اُٹھا اور پھر کر لہرانے لگا۔ ہوا کا ایک جھونکا خیمے کے اندر داخل ہو کر پھیل گیا۔ امیر چونک کر دروازہ کی جانب دیکھنے لگے۔ اس مرتبہ اُن کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ عُمرو خیمے میں داخل ہو چکا تھا۔ جوں ہی اس نے چادر کو سر سے الگ کیا صاف نظر آنے لگا۔ امیر حمزہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ عُمرو نے فوراً مُنہ پر ایک انگلی رکھ کر اُنہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ امیر نے اپنے جوش پر قابو پا لیا۔ دوسرے ہی لمحے عُمرو نے زنبیل بغل سے نکال کر دکھاتے ہوئے اُنہیں بستر پر لیٹ جانے کا اشارہ کیا۔ امیر اُس کا مطلب سمجھ گئے۔ ان کا چہرہ چمک اُٹھا۔ خوشی خوشی بستر پر جا لیٹے۔ عُمرو نے فوراً ہی اُنہیں پیر کی جانب سے زنبیل میں کھسکانا شروع کر دیا۔ چند لمحوں میں وہ زنبیل کے اندر تھے۔ عُمرو نے جلدی جلدی زنبیل کو کاندھے سے لٹکا کر بغل میں دبایا، چادر اُوڑھی اور غائب ہو گیا۔

اس مرتبہ طلِسم کے دروازے میں داخل ہوتے وقت عُمرو نے چادر نہیں اُتاری۔ اس نے امیر کو زنبیل سے باہر نکالا اور خود اسی حالت میں پوری قوّت

سے بھاگتا ہوا قید خانے کی جانب ہو لیا۔ جیسے ہی امیر زنبیل سے باہر نکلے طِلسم میں شور مچ گیا۔ "ہوشیار! حمزہ طِلسم میں داخل ہو گیا ہے۔ ہوشیار! حمزہ طِلسم میں داخل ہو گیا۔"

ابنِ ادنیٰ جو پہلے خزانے کی عمارت کے باہر عُمرو کی واپسی کا مُنتظر تھا یہ آوازیں سُنتے ہی عمارت کے اندر جا چھُپا۔ باڈی گارڈ کے باغ میں محافظوں کی فوج اکٹھی ہونے لگی۔ قید خانے کے سارے پہرے دار جمع ہو کر قیدیوں کے قتل کی تیّاری کرنے لگے اور اُدھر دروازے کے قریب طِلسمی سوار امیر حمزہ پر ٹوٹ پڑے۔ عُمرو کے لیے یہ بڑا نازک لمحہ تھا۔ وقت بے حد کم تھا۔ مگر اتنے مختصر وقت میں ہی اُسے قیدیوں کی زنجیریں کاٹنا تھیں۔ اُنہیں ہتھیار دینے تھے اور پھر پلٹ کر امیر حمزہ اور ابنِ ادنیٰ کی خبر لینی تھی۔

وہ ہوا کی طرح اُڑتا ہوا آیا اور پہرے داروں کے قید خانے میں داخل ہونے سے پہلے دیوار پھاند کر قیدیوں تک جا پہنچا۔ شور اور ہنگامے کی آواز سُن کر سارے قیدی جاگ چکے تھے۔ اتّفاق سے قیدیوں کو جن زنجیروں میں جکڑ کر

رکھا گیا تھا وہ سب جادُو کی تھیں۔ عُمرو انہیں آری سے کاٹنے میں ناکام ہوا تو جادُوئی ہار ان پر گرنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساری زنجیریں کٹ کر الگ ہو گئیں۔ اتنے میں سپاہیوں کا ایک گروہ پھاٹک کھول کر قیدیوں کو باہر قتل گاہ میں جانے کے لیے اندر آیا اور حوالات کی طرف بڑھنے لگا۔ عُمرو نے قیدیوں کو تو چھوڑا۔ جھٹ چادر اُوڑھ کر باہر نِکلا اور پھُرتی کے ساتھ پھاٹک بند کر کے تالا لگا دیا۔ اندر رہ جانے والے سپاہی پچاس سے زیادہ نہ تھے۔ عُمرو کو یقین تھا کہ قیدی ان سے آسانی سے نمٹ لیں گے اور اپنے ہتھیاروں کا مسئلہ خود ہی حل کر لیں گے۔ اُنہیں اسی حال میں چھوڑ کر وہ تیر کی طرح طِلسم کے دروازے کی طرف بھاگا۔ اب ایک جانب قید خانے میں شہزادہ ہاشم تیغ زن، شہزادہ عَلَم شاہ، شہزادہ نور الدّہر، شہزادہ ایرج اور شہزادہ اسد، لندھور اور مالک اژدر وغیرہ کی للکاریں گونج رہی تھیں۔ اور دُوسری جانب فصیل کے دروازے پر امیر حمزہ شمشیرِ حیدر کرّار سے طِلسمی سواروں کے پرخچے اُڑا رہے تھے۔ جلد ہی امیر کو یہ اندازہ ہو گیا کہ طِلسمی سواروں کو لڑانے والے چاروں سردار جادُوگر ہیں۔ جب تک اُن کا خاتمہ نہ کیا جائے گا طِلسمی سوار ٹکڑے

ٹکڑے ہونے کے باوجود اُن سے الجھتے رہیں گے۔ یہ رائے قائم کرتے ہی امیر نے سب سے پہلے پرازمان کی جانب یلغار کی۔ ان کی راہ میں کوئی طِلسمی سوار حائل نہ ہو سکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تلوار پرازمان کے سر پر بجلی بن کر گری اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے مرتے ہی ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ اس کے سارے طِلسمی سوار پھٹ کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔ اس کے بعد راؤمان کی باری آئی۔ پھر طورمان اپنے انجام کو پہنچا۔ آخر میں مسخرہ اجگر اپنے طِلسمی سواروں سمیت شمشیر علی کا لقمہ بنا۔ ان سب سے نپٹ کر امیر پیلے خزانے کی عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔ لیکن ابھی وہ اس کی حد میں نہ پہنچے تھے کہ ایک درخت کی اوٹ س انہیں عُمرو نظر آ گیا۔ وہ اس جگہ اس وقت آیا تھا جب امیر راؤمان کو قتل کر رہے تھے۔ پیلے خزانے کے محافظ پتھر کے مجسمے حرکت میں آ چکے تھے۔ عُمرو نہیں چاہتا تھا کہ امیر ان مجسموں سے اُلجھ کر وقت ضائع کریں۔ اس نے امیر کو پھر زنبیل میں رکھا اور چکّر کاٹ کر پیلے خزانے کے پچھلے حصّے کی طرف جا پہنچا۔ اچانک ایک بہت بڑا پتھّر کا شیر مُنہ پھاڑے عُمرو کی طرف بڑھنے لگا۔ اس شیر کی ہیبت سے عُمرو کا دِل کانپ اُٹھا۔ اسے وہم

ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس شیر کے مُنہ میں امیر کو کوئی گُزند پہنچے مگر جب شیر اُس کے قریب پہنچ کر بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا تو اس کا وہم جاتا رہا۔ بغل سے زنبیل نکال کر اور اُس کا مُنہ اچھی طرح باندھ کر اُس نے شیر کے مُنہ میں ڈال دی۔ شیر مُنہ پھیلائے ہوئے پلٹا اور اپنی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا۔ اب ایک ایک پل عُمرو کے لیے پہاڑ جتنا تھا۔ دھڑکتے ہوئے دِل سے وہ امیر حمزہ اور ابنِ ادنیٰ کے انجام کا انتظار کرنے لگا۔ اسے یقین تھا زنبیل پاتے ہی ابنِ ادنیٰ لالچ میں آ کر اُسے اُلٹ کر اس میں چھپی ہوئی دولت دیکھنے کی کوشش کرے گا۔ اسی موقع پر امیر باہر نِکل کر اُس کا کام تمام کر سکتے ہیں۔ مگر یہ بات امیر کو بتانے کا اُسے کوئی موقع نہ مِلا تھا۔

ایک ڈر اُس کے دل میں اِس بات کا بھی پیدا ہو رہا تھا کہ کہیں امیر گھبرا کر شیر کے مُنہ ہی میں زنبیل پھاڑ کر باہر آنے کی کوشش نہ کر بیٹھیں۔ اس طرح وہ ہرگز ابنِ ادنیٰ تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ عُمرو انہی اندیشوں میں تھا کہ یکایک کانوں کے پردے پھاڑ دینے والا خوفناک دھماکا ہوا۔ ہر طرف تاریکی اور گرد

چھا گئی، رونے اور چیخنے کی دردناک آوازیں گونجنے لگیں آخر میں ایک حسرت ناک صدا اُبلند ہوئی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ ”افسوس ابنِ ادنیٰ ہلاک ہوا۔ طلسم ہزار شکل برباد ہُوا۔“

یہ آواز سُنتے ہی عُمرو کا دل خوشی سے ناچ اُٹھا۔ وہ چیخ چیخ کر امیر حمزہ کو آواز دینے لگا۔ اچانک ایک جانب سے امیر حمزہ دوڑتے ہوئے آئے۔ عُمرو نے انہیں دیکھتے ہی دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ قریب بُلا کر ایک پل کے لیے امیر کچھ جھجکے مگر پھر بے اختیار عُمرو سے لپٹ گئے۔ کافی دیر تک دونوں بچپن کے دوست بڑے جوش کے ساتھ کاندھے بدل بدل کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے رہے۔ آخر عُمرو کو زنبیل واپس کرتے ہوئے امیر نے کہا:

”عُمرو بھائی میں تُم سے سخت شرمندہ ہوں۔ جلد بازی میں مَیں تمہیں غدّار سمجھ بیٹھا تھا۔ مجھے معاف کر دو۔“

”چلو معاف کیا۔“ عُمرو نے کہا ”اگر آئندہ جو چیز جیسی دکھائی دے تو اُس کو ویسا ہی مت سمجھ لینا۔۔۔ اب چلو ذرا ساتھیوں کر دیکھیں۔ للکاروں اور

نعروں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ شاید محافظ ڈٹ کر لڑ رہے ہیں۔ کہیں لقا ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔"

یہ کہہ کر عُمرو باغ کی سمت دوڑنے لگا۔ امیر ابھی حیدر کرّار کی تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے اس کے ساتھ ہی ہو لیے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ایک ایسے میدان میں جا پہنچے۔ جہاں گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ امیر کے فرزندوں اور سرداروں نے لقا کی محافظ فوج کو کئی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور دو دو چار چار کی جُٹ بنا کر ہر ٹکڑی پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ امیر نے ایک زور دار نعرہ لگایا اور دشمنوں کے ایک بڑے ہجوم پر ٹوٹ پڑے۔ امیر کے فرزندوں اور ساتھیوں کے حوصلے اور بُلند ہو گئے۔ محافظ سپاہی بھی بلا کے مردِ میدان تھے۔ لڑتے تھے، مرتے تھے، زخمی ہوتے تھے مگر پیٹھ دکھانے کا نام نہ لیتے تھے۔ لیکن صُبح ہوتے ہوتے اُن کا دم خم ختم ہو گیا۔ آدھے سے زیادہ مارے گئے۔ باقی زخمی ہو کر گرفتار ہوئے۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اب وہاں نہ کہیں باغ نظر آتا تھا نہ کوئی فصیل، نہ

رنگ محل کا کوئی نشان تھا، نہ کسی دوسری عمارت کا۔ ہر طرف لق و دق بیابان تھا۔ پھر مُردوں اور زخمیوں کو دیکھا گیا تو پتا چلا کہ نہ تو ان میں لقا، فرامُرز اور بختیارک موجود ہیں اور نہ لقا کی محافظ فوج کے سارے سپاہی۔

عُمرو نے خیال ظاہر کیا۔ "لقا آدھے سپاہیوں کو ساتھ لے کر فرار ہو گیا ہے۔ لیکن اُس کا اس طرح بچ کر چلا جانا اچھا نہیں۔ ہمیں اُس کی فکر کرنی چاہیے اور کِسی دوسری جگہ اُس کے قدم جمانے سے پہلے ہی اُس کا قصّہ پاک کر دینا چاہیے۔ ورنہ وہ ہمیں طرح طرح کی مُصیبتوں میں مبتلا کرتا رہے گا۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" لندھور نے کہا "مگر اس وقت ہم اس کا تعاقب کس طرح کر سکتے ہیں۔ وہ تازہ دم گھوڑوں پر بھاگا ہے۔ ہم سب تھکے ہوئے اور پیدل ہیں۔ پھر اس کے محافظوں کی لڑائی کا بھی ہمیں تجربہ ہو چکا ہے۔ یہ کام ہمیں فی الحال مُلتوی کر دینا چاہیے۔"

"یہاں سے پہلے لشکر گاہ کو چلو۔ وہاں بیٹھ کر سوچا جائے گا۔" امیر حمزہ نے حکم دیا۔ اس پر سب خاموش ہو گئے۔

سورج کے سر سے آتے وہ لشکر گاہ پہنچ گئے۔ اس بار اُن کے راستے میں نہ وہ میدان آیا جس میں ہر وقت آگ، پتھّر اور تیروں کی برسات ہوا کرتی تھی، نہ وہ علاقہ آیا جِس میں گرد و غبار چھایا رہتا تھا اور نہ وہ خطّہ ہی آیا جس میں زمین پر سانپ بچھو اور چیونٹے چھائے رہتے تھے اور مچھّروں اور بھُنگوں کے جھُنڈ منڈلایا کرتے تھے۔ ابنِ ادنیٰ پیلے خزانے اور طلِسمی سکّوں کے خاتمے کے ساتھ ان سارے طلِسمی شعبدوں کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا۔

گزشتہ رات امیر کے پراسرار طور پر غائب ہو جانے سے لشکریوں کو جو پریشانی ہوئی تھی، امیر کو سلامت دیکھ کر جاتی رہی۔ شامیانے میں پہنچتے ہی امیر نے جاسوسوں کو لقا کا سُراغ لگانے کے لیے روانہ کیا۔ اور تین دن رات فتح کا جشن منانے کے احکام صادر کیے۔ حکم کے مطابق یہ جشن شایانِ شان طور پر منایا گیا۔ چوتھے دن امیر نے دربارِ عام منعقد کیا۔ اس موقع پر جاسوسوں نے واپس آکر اطلاع دی کہ لقا کوہِ عقیق کے قریب پہنچ چُکا ہے۔ وہاں کا بادشاہ سلیمان عنبریں زبردست جادُوگر اور جنگ جو فوجوں کے مالک

ہے۔ اس کی سرحدیں بادشاہ افراسیاب کے مُلک **طِلسم ہوش رُبا** سے **ملتی** ہیں۔ یہ دونوں بادشاہ لقا کے وفادار اور جاں نثار ہیں۔ یہ خبر سُنتے ہی امیر حمزہ، عُمرو عیّار اور سارے اہلِ دربار سوچ میں ڈوب گئے۔

آگے کیا ہُوا؟

یہ طِلسم ہوش ربا کے دوسرے حصّے ''عُمرو کا بھُوت'' میں پڑھیے۔